اسنی المطالب فی نجات ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ایمان پر مدلل کتاب

از

قاضی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ فیصل آباد

حضرت ابوطالبؓ کے ایمان پر مدلل کتاب

اسنیٰ المطالب
فی
نجاتِ ابی طالب

از قاضی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد

0321.4926515

نام کتاب	اسنٰی المطالب فی نجات ابی طالب
مصنف	مفتی حرمین سید احمد بن زین دحلان مکی
تدوین وترجمہ	حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ	چشتی کمپوزرز
طابع	محمد شفیق مجاہد
تیسری بار	دسمبر 2007
	یو اینڈ می پرنٹرز' لاہور

Rs. 160/=

ملنے کا پتہ

شبیر برادرز

اُردو بازار لاہور

منقبت حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ

از (مترجم)

رسولِ پاک کے غمخوار ہیں حضرت ابوطالبؓ
قرارِ حیدرِ کرار ہیں حضرت ابوطالبؓ

وہ پہلے نعت خواں اصحاب میں ہیں کملی والے کے
سراپا جذبۂ ایثار ہیں حضرت ابوطالبؓ

امیں بن کر امانت آمنہؓ کی گود میں لے لی
خدا کے فضل کے حقدار ہیں حضرت ابوطالبؓ

سدا اُن کو میسر تھا جمالِ سرورِ عالم
نبی کی دید سے سرشار ہیں حضرت ابوطالبؓ

گُلِ باغِ بنی ہاشم حصارِ رحمت عالم
وفادارِ شہِ ابرار ہیں حضرت ابوطالبؓ

وفا دیکھو یہ صائم کر دیا ایمان بھی قرباں
وفا کے نور کا مینار ہیں حضرت ابوطالبؓ

فہرست عنوانات

تعارف مترجم

مفسر قرآں، محقق دوراں، شارحِ حدیث، مترجم، نعت گو شاعر

فنا فی الرسول حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ قیام پاکستان کے بعد فیصل آباد کی سرزمین سے نعتیہ ادب کے اُفق پر جلوہ افروز ہوئے، جس وقت اُنہوں نے نعتیہ کلام کا آغاز کیا، فیصل آباد میں نعت گوئی کی روایت کم کم تھی، اُنہوں نے سینکڑوں مجموعہ ہائے نعت لکھے اُن میں نعت، قصائد و مناقب، دوہڑے، رُباعی کے مجموعے شامل ہیں، ایک محتاط اندازے کے مطابق اُن کی کل نثری و شعری پانچ صد کے قریب ہیں، جن میں نعت و منقبت، سیرت وسوانح، تاریخ و تحقیق تراجم اور لغت کی کتب شامل ہیں۔

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے نعتیہ شاعری کے علاوہ بطور مفسر قرآن، شارحِ حدیث، محقق، مترجم، مبلغ اور ادیب اپنی بلند پایہ

شخصیت کو منوایا۔

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی قصبہ گنڈی ونڈ نزد سرائے امانت خان تھانہ جھبال تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر تھا۔

آپ 25 دسمبر 1932ء میں پیدا ہوئے، آپ کا اصل نام ''محمد ابراہیم'' تھا آپ کے والد کا نام شیخ محمد اسماعیل تھا، علامہ صائم چشتیؒ نے ایک مذہبی گھرانے میں پرورش پائی۔

علامہ صائم چشتیؒ نے قرآن پاک کی ناظرہ تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی، آپ کی تعلیمی لحاظ سے بہت ذہین اور محنتی تھے، راتوں کو دیر تک مطالعہ کرنے کی عادت ان کو کم عمری سے تھی، علامہ صائم چشتیؒ نے پرائمری تعلیم گنڈی ونڈ میں مکمل کی، آپ نے جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد میں سیّد منصور شاہ سے صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم اور علوم متداولہ کا آٹھ سالہ کورس دو سال کے عرصے میں مکمل کیا۔

۱۹۷۰ء میں مولانا غلام رسول رضویؒ سے دورہ حدیث کیا، اِس کے علاوہ طبیہ کالج سے طبِ یونانی میں ڈپلومہ حاصل کیا۔

۱۹۴۸ء میں آپ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے آپ کی اہلیہ کا نام غلام فاطمہ ہے، ۱۹۷۸ء میں پہلی بار فریضۂ حج ادا کیا، آپ نے بھرپور زندگی گزاری، آپ نے کئی اِداروں کا کام تنہا سرانجام دیا آپ نے نعت گوئی کے لئے تحریک کے طور پر کام کیا، آج اِسی لئے فیصل آباد کو شہرِ نعت کہا جاتا ہے۔

علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲ جنوری ۱۴ شوال المکرّم ۲۰۰۰ء کو وصال فرما گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

علامہ صائم چشتیؒ کی اولاد میں تین بیٹے صاجزادہ محمد لطیف ساجد، صاجزادہ محمد شفیق مجاہد اور صاجزادہ محمد توصیف حیدر اور تین بیٹیاں شامل ہیں

علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کے سلسلہ کی اولین کتاب ''محمد کا در چھوڑ کر جانے والو'' سے شروع ہو کر اُن کی آخری غیر مطبوعہ کتاب ''ن والقلم'' تک ہے آپ نے بہت سی تحقیقی کتب تصنیف فرمائیں جو اپنی منفرد حیثیت سے محققین کے لئے حوالہ جاتی کتب کا درجہ رکھتی ہیں جن میں البتول، ایمان ابی طالب، مشکل کشاء، گیارہویں شریف، من دون اللہ کیا ہے، شہید ابن شہید، الصدیق، المدد یا رسول اللہ، پھل تے کنڈے، زینب داویر، خطباتِ چشتیہ وغیرہ شامل ہیں۔

آپ نے دقیق ترین عربی و فارسی کتب کو اُردو میں ڈھالنے کا کام کیا جن میں!

تفسیر کبیر ...... امام فخرالدین رازیؒ ...... مطبوعہ

تفسیر خازن .... امام خازن بغدادیؒ .... مطبوعہ

تفسیر ابن عربی ...... شیخ الاکبر محی الدین ابن العربیؒ .. مطبوعہ

فتوحاتِ مکیہ ..... شیخ الاکبر محی الدین ابن العربیؒ ..... مطبوعہ

کتاب النفس والروح ......امام فخر الدین رازیؒ ......غیر مطبوعہ

خصائص علی .... امام نسائیؒ .... مطبوعہ

مسالک الحنفا والدین مصطفیٰ......امام جلال الدین سیوطیؒ..... مطبوعہ

ریاض النضرہ فی مناقب عشرہ ......امام محب طبریؒ ..... مطبوعہ

دفع الوسواس فی قال بعد الناس ......ملا علی قاریؒ ......غیر مطبوعہ

الشرف المؤبد لآل محمد .... امام نبہانیؒ ..... مطبوعہ

مناجات غزالی .. امام غزالیؒ غیر مطبوعہ

سیرت نبویہ قاضی دحلان مکیؒ مطبوعہ

قصیدہ امینیہ.................. سیّد امین نقوی ...... مطبوعہ

قصیدہ بردہ شریف منظوم ......امام بوصیریؒ ...... غیر مطبوعہ

روضۃ الشہداء .... ملا حسین واعظ الکاشفیؒ ...... مطبوعہ

فتاویٰ شاہ رفیع الدین...............شاہ رفیع الدین .. مطبوعہ

ہدیۃ المہدی ....علامہ وحید الزماں ... مطبوعہ

یک روزہ .... اسماعیل دہلوی .... غیر مطبوعہ

کتاب المغازی ....علامہ واقدیؒ .. غیر مطبوعہ

مثنوی نورِ ہدایت......علامہ حامد الوارثیؒ ... مطبوعہ وغیرہ شامل

ہیں۔

آپ کی شخصیت پر ہونے والی تحقیق و ریسرچ کے حوالہ سے دو

کتابیں پہلی کتاب سیّد محمد یونس شاہ کاظمیؒ کی "علامہ صائم زندہ ہے" اور دوسری کتاب محمد مقصود مدنی کی "میرے محسن" طبع ہو چکی ہیں، اِن کے علاوہ ایک کتاب انگریزی زبان میں محترمہ ریحانہ کوثر عینی صاحبہ نے لکھی ہے جو ابھی زیرِ طبع ہے۔

فیصل آباد کے علمائے اہلسنّت کے تذکار پر مشتمل کتاب "روشن ستارے" میں آپ کی شخصیت کے حوالہ سے تحقیقی مضمون شامل کیا گیا ہے، جبکہ پنجاب یونیورسٹی نے حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے دو مقالے منظور کیے ہیں، پہلا مقالہ ایم۔اے اردو "علامہ صائم چشتی بحیثیت نعت گو شاعر" تحریر ہوا یہ مقالہ سیّدہ نوازش رباب نے تحریر کیا جبکہ دوسرا مقالہ ایم اے پنجابی پنجاب یونیورسٹی کی طالبہ آمنہ احمد نے "علامہ صائم چشتی فکر تے فن" کے عنوان سے تحریر کیا۔

اِن کتابوں اور مقالہ جات کے علاوہ علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور آپ کے علمی و تحقیقی کارناموں کے حوالہ سے ملک کے مقتدر اخبارات و جرائد مثلاً روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ جنگ، روزنامہ پاکستان روزنامہ امن اور فیصل آباد کے مقامی اخبارات روزنامہ عوام، روزنامہ غریب روزنامہ پیغام، روزنامہ ڈیلی رپورٹ، روزنامہ سعادت، روزنامہ شیلٹر وغیرہ میں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ اِن کے علاوہ ماہنامہ شام و سحر، ماہنامہ لکھاری، ماہنامہ گہراب، ماہنامہ سوک، ماہنامہ سانجھان اور دیگر رسائل میں

آپ کی شخصیت اور فن کے حوالہ سے مضامین چھپ چکے ہیں۔

آپ کی پنجابی کتب کی فہرست ڈاکٹر شہباز ملک نے پنجاب یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام چھپنے والی ''پنجابی کتابیات'' میں شامل کی ہیں،

آپ کی ترجمہ نگاری

ترجمہ نگاری اَدب کی وہ صنف ہے جو ہمیشہ سے اہم رہی، قرآن پاک کا نزول عربی زبان میں ہوا تو اِس کو دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اسی طرح حدیث شریف کے تراجم دُنیا کی کئی زبانوں میں ہوئے اسلام کے پھیلاؤ میں ترجمہ نگاری کے فن کی اہمیت مسلمہ ہے برصغیر پاک و ہند میں علامہ وحید الزمان نے صحاح ستہ کے تراجم کئے اِسی طرح شاہ ولی اللہ نے قرآنِ پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کا اُردو زبان میں ترجمہ'' کنزالایمان '' کیا۔ اعلیٰ حضرتؒ کے علاوہ بھی بہت سے علماء نے قرآنِ پاک کے تراجم کئے اِن کے علاوہ ندوۃ العلماء کے علمائے کرام نے ترجمہ نگاری میں بہت کام کیا۔

فی زمانہ عربی اور فارسی زبانوں کی طرف عدم توجہی کی وجہ سے بے شمار اِسلامی کتب عام لوگوں کی پہنچ سے دُور تھیں اِس امر کی ضرورت تھی کہ اِن کتب کے تراجم اُردو زبان میں ہوں، اِس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے نامور علمائے کرام نے اِس کا بیڑہ اُٹھایا۔

مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن، محقق دوراں حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ نگاری کے حوالہ سے گراں قدر کام کیا۔ آپ نے تراجم کے حوالہ سے ایسی کتب کا انتخاب کیا جن کے تراجم پہلے نہیں ہوئے تھے اِن میں تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت، تصوف اور ادب کی عظیم کتابیں شامل ہیں۔

آپ کے تراجم کی خصوصیت یہ ہے سہل نگاری کے ساتھ ساتھ آپ نے اصل کتاب کے متن کو ترجمہ کے قریب رکھا ہے اِس لئے اصل کتب کے مضامین کمی بیشی کا شکار نہیں ہوئے، آپ نے جن کتب کے تراجم فرمائے ہیں اُن میں آیات واحادیث کی تخریج کے ساتھ عربی متن بھی شامل کیا گیا ہے تا کہ قارئین اصل عبارت کے ساتھ ترجمے کا موازنہ کرسکیں اور علمائے کرام اَصل عبارت سے استفادہ کرسکیں۔

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۲ میں سیّد محمد امین علی نقوی شاہ صاحب کے ''قصیدہ امینیہ'' کا اُردو میں ترجمہ کیا جس کے بارے میں سیّد محمد امین علی نقوی شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ میں عربی عبارت پڑھتا تھا اور علامہ صائم چشتی صاحب اُس کا ترجمہ فی البدیہہ کرتے جاتے۔ سیّد محمد امین علی نقوی اِس قصیدے کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں !

'' حضرت صائم چشتی مدظلہ العالی کا تہہ دل سے ممنون ومشکور ہوں کہ جنہوں نے نہایت فصاحت وبلاغت کے ساتھ عارفانہ عاشقانہ ترجمہ سپردِ قلم فرمایا اور میرے ارادہ ونیت میں میرا ہاتھ بڑھا اور حقیقت یہ ہے کہ

آپ کا یہ عاشقانہ ترجمہ بے نظیر ولاجواب ہے۔

ہر لفظ خوب تر ہر اِک شعر خوب تر

طرزِ بیاں شگفتہ و شفتہ و پُراثر

اور آپ کے ترجمہ میں جو سوز و گداز ہے اِس کا اندازہ قارئین خود لگائیں اور مزید خوبی یہ ہے کہ آپ کا اُردو ترجمہ عربی کے وزن و بحر کے عین مطابق اور وہی طرزِ ادا ہے "

حضرت علامہ صائم چشتی ؒ نے شیخ الاکبر محی الدین ابو بکر محمد بن علی الطائی رحمۃ اللہ علیہ کی تصوف پر معرکۃ الآراء کتاب "فتوحاتِ مکیہ" کا اُردو میں ترجمہ کیا جو چھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے آپ کا یہی ترجمہ ہندوستان میں اعتقاد پبلشنگ کمپنی نے شائع کیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کہتے ہیں !

" فتوحاتِ مکیہ اِن امتیازی اوصاف کی بنا پر ہر دور میں علماء وصوفیا کی توجہ کا مرکز رہی ہے درسگاہوں اور رُوحانی تربیت گاہوں میں اسکی باقاعدہ تدریس ہوتی رہی ہے، برصغیر کے قارئین بھی اِس کی لطافتوں سے آشنا ہیں لیکن وہ طبقہ جو عربی زبان سے کما حقہ واقف نہ تھا احساسِ محرومی کا شکار رہا چاہت کے باوجود اور محبت کے بے پناہ جذبات کے باوصف زبان کی غیریت سدِراہ رہی۔

ضرورت تھی کہ اِس عظیم علمی اور رُوحانی سرمائے کو اُردو دان اصحاب

کیلئے پیش کیا جائے، بحمد للہ یہ سعادت ہمارے دوست اور کرم فرما جناب علامہ صائم چشتی" کو حاصل ہوئی فتوحاتِ مکیہ کا ترجمہ ایک بہت بڑی جرأت ہے اِس کے لئے ایسے انسان کی ضرورت تھی جو علم وادب کی وادیوں کا راہی اور تصوف ودین کے نشیب وفراز سے آگاہ ہو۔

علامہ صائم چشتی پنجابی زبان کے نمائندہ شاعر ہیں، اُردو نظم ونثر میں اُن کا قلم بے تکان کئی مشکل مراحل سے گزر چکا ہے، چشتی نسبت سے اور ذاتی میلان کی وجہ سے اُن میں تصوف کے رموز واوقاف سمجھنے کی صلاحیت ہے اُنہوں نے نظم ونثر میں متعدد کتابیں تالیف کی ہیں جن میں فنی مسائل سے لے کر علمی وادبی نگارشات سب شامل ہیں فقہ، تاریخ، سیر میں اُن کے قلم سے کئی اُلجھے ہوئے مسائل پر ضخیم کتب تحریر ہوئی ہیں، عمر بھر کے تجربے اور گداز کے بعد اُنہوں نے یہ بیڑا اُٹھایا ہے کہ شیخ اکبر کی نمائندہ کتاب الفتوحاتِ مکیہ کو اُردو قالب میں ڈھال دیا جائے،

علامہ صائم چشتی کا ترجمہ رواں دواں ہے الفاظ کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے

﴿ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی دیباچہ فتوحاتِ مکیہ﴾

ڈاکٹر احسن زیدی کہتے ہیں !

" بعض شخصیات خالقِ کائنات کی خصوصی رحمتوں کا مرکز ہوتی ہیں وہ پھل جھڑی کی طرح روشنی کے پھول برسا کر اپنے وجود کا احساس دلاتی

رہتی ہیں، علامہ صائم چشتی ایسی ہی محترم شخصیت ہیں، قدرت نے اُن کی ذات میں کئی خوبیاں جمع کردی ہیں وہ اُردو اور پنجابی میں قادر الکلام شاعر ہیں۔فارسی اور عربی زبانوں میں انہیں ماہرانہ دسترس حاصل ہے تفسیر اور تاریخ اُن کا پسندیدہ جولان گاہ ہے۔

علامہ صائم چشتی کے علمی ذوق اور دینی شغف نے ہماری مشکلات کا جائزہ لے کر کچھ اہم کتب کو اُردو میں ڈھالنے کا قصد کیا ہے۔اُنہوں نے اِس مقصد کیلئے جن کتب کا انتخاب کیا ہے وہ اپنی عالمگیر شہرت کے سبب دینی حلقوں میں مقبولِ عام کا درجہ رکھتی ہیں، اِن میں امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کبیر، شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی تفسیر ابن عربی اور فتوحاتِ مکیہ، اور امام علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی خازن کی تفسیر خازن خاص طور پر اہلِ علم کی توجہ کا محور رہی ہیں۔

علامہ صائم چشتی عربی اور اُردو دونوں زبانوں پر عبور رکھتے ہیں اور دینی علوم کے ساتھ ان کے گہرے شغف نے ان کیلئے ترجمے کی منزل آسان کردی ہے انہوں نے ترجمے کے لئے سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی، ان کی اِس سعی جمیلہ کی بدولت اُردو جاننے والے قارئین کیلئے ان موتیوں تک رسائی ممکن ہوگئی جو عربی زبان کے غلاف میں مخفی تھے اور جس سے کسبِ فیض کرنا اُن کیلئے محالِ کار تھا۔

﴿ تقریظ تفسیر خازن ڈاکٹر احسن زیدی ﴾

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ساٹھ عربی کتب کا اردو میں ترجمہ فرمایا ہے اور فارسی سے اُردو میں ترجمہ کی گئی کتب کی تعداد آٹھ ہے آپ کی ترجمہ نگاری کے حوالہ سے تحقیقی کام کی اَشد ضرورت ہے اُمید ہے اہلِ علم حضرات اِس حوالہ سے آپ کی خدمات اور عظیم کام کو اہلِ اسلام کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔

محمد عثمان چشتی ایم۔اے

ادیب صحافی کالم نگار، ریسرچ سکالر

انچارج علامہ صائم چشتی ریسرچ سنٹر

تحمید و تمہید

بِسمِ اللّٰـہ الرَّحـمٰنِ الرَّحِیم الحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ
العَـلَـمِین وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ عَلیٰ رَسُولہ الکریم
وَ آلہٖ وَ صَحبِہٖ اَجمَعِین

اَمّا بعد!

بندۂ ہیچمدان بارگاہِ خُداوندِ قُدّوس میں سراپا تشکر و امتنان ہے جس نے اپنے لُطفِ خاص سے نوازتے ہوئے مُجھے اِس صحیفہ عظیم و جلیل کو عربی زبان سے اُردو زبان میں منتقل کرنے کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔

چونکہ صاحب تصنیف نے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ایمان پر بے پناہ دلائل جمع فرما دیئے ہیں اِس لئے ترجمہ کرتے وقت میں نے دُوسرے بزرگوں کے ناموں کی طرح حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کا اِسمِ گرامی نقل کرتے وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی التزام قائم رکھا ہے۔ اور دقیق مضامین کا ترجمہ تشریحی انداز میں کیا ہے اور قارئین کی آسانی کے لئے مضامین کے عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں۔

یہ کتاب سیدنا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان و نجات کے اثبات کے متعلق حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے

کہ میری تصنیف عیون المطالب فی اثباتِ ایمانِ اَبی طالب کی بُنیاد ہی اِسی تالیفِ مُبارکہ پر رکھی گئی ہے۔

جو حضرات ابھی تک یہ باور کرنے کو تیار نہیں کہ اِیمانِ اَبی طالب کے اثبات میں میرے علاوہ بھی عُلمائے اہلِ سُنّت نے کتابیں لکھی ہیں بطورِ خاص یہ کتاب اُن کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

مُجھے پروردگارِ عالم جلّ وعلا کے لُطف وکرم اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عنائت ونوازش سے کامل طور پر یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اہلِ سُنّت وجماعت کی کثیر تعداد مُحسن ومُربی کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مُحسن ومُربی سیّدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تمام شکوک وشبہات ترک کرتے ہُوئے صِدقِ دِل سے اُن کے اِیمان کے قائل ہو جائیں گے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ محض اپنے لُطف واِحسان سے میری اِس سعی وکاوش کو بار آور فرماتے ہُوئے قبول ومنظور فرمائے۔ آمین بحرمتِ سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وآلہٖ اجمعین۔

مداحِ اہلِ بیت، خادمِ اہلِ سُنّت

صائم چشتی

یکم شوال ۱۴۰۰ھ

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم
وَ آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن

☆

یہ عبدِ فقیر حرم شریف کے طالبانِ علم کا خادم بہت گنہگار اور معرفتِ الٰہیہ کا طلبگار احمد بن زینی دحلان کہتا ہے کہ میری نظر سے علامہ نبیل وشہیر سیّد محمد بن رسول برزنجیؒ متوفی ۱۱۰۳ھ کی ایک جلیل القدر تالیفِ مُبارکہ گزری جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کے متعلق ہے اور اُس کتاب میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اور اِس امر کو کتاب وسُنّت اور اقوالِ علماء سے استنباط کرتے ہُوئے پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے۔

چنانچہ جو شخص بھی اُن کے پیش کردہ دلائل و براہین پر غور کرے گا اُس پر واضح ہو جائے گا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً نجات

حاصل کریں گے۔

اُنہوں نے ان نصوص کو صحیح معنے پہنا دیئے ہیں جو اِس کے خلاف کا اِقتضاء کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ یہ تمام نصوص حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی نجات کی دلیل بن گئی ہیں"

علامہ برزنجیؒ نے جو مسلک اِختیار کیا ہے اُس میں آپ پر کسی کو سَبقت حاصل نہیں اور حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی نجات کا ہر منکر ان دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہے"

چُنانچہ قائلینِ عدمِ نجات نے جس دلیل سے بھی استدلال کیا ہے آپ نے اس کو اُسی پر لوٹا کر دلیلِ نجات بنا دیا ہے اور قائلینِ عدم نجات کی کسی بھی دلیل کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ جن باتوں نے اُنہیں شُبہ میں ڈال رکھا تھا اُن کا پورا پورا ازالہ کر دیا ہے اور اپنے ہر دعوے پر دلیل قائم کی ہے۔

آپ کی پیش کردہ مباحث میں بعض ایسے دقیق مقام بھی ہیں جنہیں بڑے بڑے عُلماء ہی سمجھ سکتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی طالب عِلموں کی کم فہمی کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے اثباتِ مطلوب سے کچھ مزید مباحث بھی ذکر کی ہیں تا کہ تمام امور واضح اور آشکار ہو جائیں اور حصولِ مقصود کے لئے تقویت کا باعث ہوں"

چُنانچہ مُجھے خواہش ہُوئی کہ ان اوراق اور آپ کے بیان کردہ ان مقاصد کی تلخیص بیان کردوں جن سے حضرت ابو طالبؓ کی نجات کا اثبات

ہوتا ہے تاکہ ان دلائل کو جاننے والا ہر مجلس میں غالب رہے۔

میں نے اس کتاب میں علامہ برزنجیؒ کی دقیق عبارات کو حتی الامکان آسان بنانے کی بھی کوشش کی ہے اور کئی دقیق نکتوں کو حذف بھی کردیا ہے اور ان کی جگہ مواہب اللدنیہ اور سیرتِ حلبیہ کی ان عبارات کا اضافہ کردیا ہے جو اس مضمون سے مناسبت رکھتی تھیں۔ اور یہ تمام امور حصولِ مقصد کے لئے وافی وکافی ہیں‘‘ چنانچہ بندوں میں سے جو شخص بھی ان پر مطلع ہوگا اُسے ان سے اِنشاءاللہ العزیز نفع اور فائدہ حاصل ہوگا۔

میں نے اِس تالیف کا نام اسنٰی المطالب فی نجاتِ اَبی طالب رضی اللہ عنہ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اعانت وتوفیق اور اخلاص وقبولیت کے لئے دُعا گو ہوں کہ وہ سیّدنا محمد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزّت کے صدقے خاتمہ بالخیر فرمائے۔

اِیمان اور اِسلام

علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے لئے دلائل وبراہین کے ساتھ ایمان کا اثبات کیا ہے اور اس کے بعد اُن کی نجات کے اثبات میں محققین علماء کے اُن اقوال سے اِستدلال کیا ہے جنہیں زیادہ ترجیح حاصل ہے۔

اِیمان کے اثبات کا مدار پہلے تو اِیمان کے معنوں کی معرفت پر رکھا

جا سکتا ہے اور شرعی طور پر ایمان کے معنی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور ہر اُس چیز کی تصدیق کرنا جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر تشریف لائے۔

اور اسلام کے شرعی طور پر یہ معنی ہیں کہ ظاہری طور پر شرعی افعال کی اطاعت کی جائے اور اس امر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مُبارک دلالت کرتا ہے کہ!

" الاسلام علا نیة والایمان فی القلب "

" یعنی اسلام اعلانیہ اظہار کا نام ہے اور ایمان کا تعلق دِل کے ساتھ ہے"

﴿الحدیث متفق علیہ﴾

اِسلام اور ایمان ہر دو اُس شخص کے دِل میں جمع ہو جاتے ہیں جو دِل سے تصدیق کرتا ہے اور زبان سے شہادتین یعنی توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے"

اسلام کا ایمان سے الگ ہونا

منافقین میں اِسلام ایمان سے الگ ہو جاتا ہے جو توحید و رسالت کی گواہی بھی دیتا ہے اور ظاہری طور احکامِ اسلامیہ کا مطیع بھی ہوتا ہے مگر دِل سے اس کی صداقت کا قائل نہیں ہوتا اور اسے جھوٹا سمجھتا ہے۔

ایمان کا اسلام سے الگ ہونا

ایمان اسلام سے اس وقت الگ ہو جاتا ہے جب کوئی شخص دل سے توحید و رسالت کی تصدیق کرتا ہے مگر عناد کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے رسول کی صداقت کی گواہی زبان سے نہیں دیتا اور نہ ہی ظاہر طور پر افعالِ شرعیہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور یہ بات یہودیوں کے اُن کثیر علماء کی طرح ہے جنہوں نے اچھی طرح جان لیا تھا کہ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے سچے رسول ہیں مگر اُنہوں نے عناد کی وجہ سے نہ تو توحید و رسالت کی گواہی دی اور نہ ہی حضور رسالت مآب علیہ التحیۃ والصلوات کی لائی ہوئی تعلیم مُبارکہ کی اِتبّاع و اطاعت کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے !

"یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَ هُمۡ"

یعنی وہ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

﴿سورۃ الانعام آیت ۲۰﴾

مگر اُنہوں نے عناد کی وجہ سے آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کیا حالانکہ ان کے دلوں میں یہ اعتقاد تھا کہ آپ اپنے دعویٰ رسالت میں سچے

چونکہ یہ لوگ باطن میں آپ پر ایمان رکھتے تھے مگر ظاہر طور پر آپ کی تکذیب کرتے تھے اس لئے ان کا یہ باطنی ایمان انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ ان کا ظاہر طور پر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنا عناد پر مبنی تھا۔

عذر و مجبوری

اِن دونوں باتوں کے علاوہ تیسری بات یہ ہے کہ جب ظاہری طور پر عدمِ اطاعت و عدمِ شہادتین عناد کی بجائے کسی عذر کی بناء پر ہو تو قیامت کے دن باطنی ایمان باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں یقیناً فائدہ دے گا مگر بظاہر اُس کا معاملہ کفار جیسا ہی ہوگا اور ظاہری احکام کی بناء پر اُسے کافر ہی کہا جائے گا۔

چوتھی بات

علاوہ ازیں ! وہ عُذر جو ظاہری طور پر اطاعت و فرمانبرداری سے مانع رہے اُس کے متعدد اَسباب ہو سکتے ہیں۔"

اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اُسے کسی ظالم کا خوف ہے کہ اگر اُس نے اظہارِ اسلام و اطاعت کیا تو وہ اُسے قتل کر دے گا یا شدید اذیت پہنچائے گا یا اُس کی اولاد یا اُس کے اقارب میں سے کسی کو تکلیف پہنچائے گا تو

ایسے شخص کے لئے اپنے اسلام کو اخفا میں رکھنا جائز ہوگا اور ایسے ہی کوئی ظالم شخص کسی مُسلمان کو کُفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کردے تو اُس کے لئے کلمۂ کُفریہ کہنا جائز ہوگا۔

چنانچہ اِس امر کی طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اس ارشاد مُبارکہ میں ارشاد فرمایا ہے !

" اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَان "

ترجمہ !

یعنی اُس کا ایسا کرنا مجبوراً ہے اور اُس کا دِل ایمان سے مطمئن ہے"

﴿النحل آیت ۱۰۶﴾

یعنی وہ شخص جو انکار پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دِل ایمان پس مطمئن ہو تو اس کے لئے کلمۂ کُفر کہنا جائز ہوگا۔ مگر جو شخص کفر کے لئے اپنے سینے کو کھول دے تو اُس کے لئے خُدا تعالیٰ کا قہر و غضب اور عذابِ عظیم ہے۔

حضرت ابوطالب کا عذرِ شرعی

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اطاعتِ ظاہری سے رُکنا اسی قبیل سے ہے کہ وہ اپنے بھائی کے بیٹے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیف پہنچنے کی وجہ سے ظاہری طور پر اطاعت نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمایت ونُصرت کیا کرتے تھے۔ اور آپ پر آنے والی تمام مصیبتوں کو دُور کرتے تھے۔ اور کُفارِ قُریش بھی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا لحاظ کرتے تھے اور ان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذاء دینے سے باز رہتے تھے۔ کیونکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو اپنے والدِ گرامی حضرت عبدالمُطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد قریش کی سَرداری مِل چکی تھی۔ اور اُن لوگوں پر آپ کا حکم چلتا تھا، اور انہیں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی یہ حمایت اِس لئے بھی منظور وقبول تھی کہ وہ انہیں اپنے دین وملت پر متصور کرتے تھے۔

اور اگر کفار قریش کو یہ معلوم ہو جاتا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کرتے ہیں اور آپ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ لوگ اس حمایت ونصرت کو ہرگز قبول نہ کرتے جو وہ حضور علیہ الصَّلوٰۃُ والسَّلام کی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کر رہے تھے۔

بلکہ یقینی امر یہ ہے کہ وہ لوگ آپ سے جنگ کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیفیں پہنچاتے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی زیادہ اذیّت حضرت ابوطالب کو دیتے۔

بلا شک وریب یہ ایک مضبوط اور قوی عذر ہے جس کی وجہ سے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباعِ ظاہری سے رُکے رہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ کفار کے سامنے بظاہر انہی کے دین پر ہونے کی بات کرتے اور فرماتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت ونصرت اور دفاع اپنی قرابت کی وجہ سے کرتے ہیں'' اور کفار بھی یہی خیال کرتے تھے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے کی حمایت و نصرت اُن کے متبع ہونے کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ اس کا باعث اُن کی خاندانی حمیّت ہے اور خاندانی حمیّت کی وجہ ایک دُوسرے کی پاسداری کرنا عربوں میں ایک مشہور بات ہے۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے مشاہدہ کی وجہ سے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کا دل آپ کی رسالت کی تصدیق کے لئے لبریز تھا جس کی وضاحت عنقریب بیان ہوگی۔

بہر کیف! حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض اوقات ایسے الفاظ بھی استعمال فرماتے جو ان کے ایمان پر واضح دلالت کرتے تھے اور کچھ الفاظ وہ ادا کر دیتے تھے جن سے کفار کو گمان ہوتا کہ وہ انہی کے دین پر ہیں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر نہیں ہیں۔ اور یہ آپؓ اِس لئے کرتے تا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمیت کا سلسلہ جاری رکھ سکیں اور کفار کو یہ شک نہ گزرے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہیں۔

توحید ورسالت کی گواہی

اِس وضاحت کے بعد علامہ برزنجی علیہ الرحمۃ نے شہادتین یعنی توحید و رسالت کی گواہی میں عُلمائے کرام کا آپس میں اختلاف بیان کیا ہے۔ کہ کیا یہ گواہی ایمان کے نام کا جُزو ہے یا احکام دنیویہ کے اجراء سے مشروط ہے۔ تو اِس کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں "

اوّل ! یہ کہ اگر جُزو ہو تو جو شخص اظہار توحید و رسالت کی قُدرت رکھنے کے باوجود اخفار رکھے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہے گا"

دوم ! یہ کہ اگر دنیوی احکام سے مشروط ہے تو ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا "

علامہ سفاقسی رحمۃ اللہ علیہ نے " شرح التمہید" میں بیان کیا ہے کہ ایمان محض تصدیق کا نام ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کو صحیح روایت سے بیان فرما رکھا ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے " عُمدۃ القاری شرح بُخاری " میں بیان فرمایا ہے کہ اجزاء احکام کے لئے زبان سے اقرار کرنا شرط ہے۔ اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہُوئی تمام تعلیمات کی دِل سے تصدیق کرتا ہے اور اگر وہ زبان سے نہ بھی تصدیق کرے جب بھی اللہ تعالیٰ

اور اس کے مابین جو معاملہ ہے اس پر وہ ایمان رکھتا ہے اور عند اللہ مومن ہے۔

حافظ الدین علامہ نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی گئی ہے اور صحیح ترین روایت کے مطابق ہے۔

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے اور یہی قول امام ابومنصور ماتریدی علیہ الرحمۃ کا ہے، امام عضدالدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب '' المواقف '' میں رقم طراز ہیں کہ !

''ایمان اسی بات کا نام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی اُن چیزوں کی تصدیق کرے جن کا ضروریاتِ دین سے ہونا معلوم ہو چکا ہے''

اِسی کتاب میں ''المواقف'' کے شارح سیّد شرف الدین علیہ الرحمۃ اِس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم اس سلسلہ میں امام ابوالحسن اشعری علیہ الرحمۃ کی پیروی کرتے ہیں،

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی بات کو اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور اس پر کُھل کر بحث کی ہے، اور یہی قول اشاعرہ کے امام الحرمین قاضی باقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور استاذ العلماء علامہ ابواسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

احادیثِ شفاعت

علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ نے اِس قول کو جمہور محققین کی طرف منسوب فرمایا ہے اور اس پر احادیثِ مُبارکہ سے اِستدلال کیا ہے۔

"من علم ان للّٰہ ربہ وانی نبیہ صادقاعن قلبہ حرم اللّٰہ لحمہ الیٰ النار"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ! کہ جو شخص یہ جان لے کہ اُس کا پروردگار اللہ ہے اور مُجھے دِل سے اللہ تعالیٰ کا سچا نبی تسلیم کر لے تو اُس کے گوشت کو آگ پر حرام کر دیا ہے۔

اِس حدیث کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے **المعجم الکبیر** میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے۔

بخاری مُسلم کی روایت

امام بُخاری اور امام مُسلم نے بُخاری شریف اور مُسلم شریف میں حضرت عُثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔

مَن مَّاتَ وَھُوَ یَعلَم لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الجَنَّۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا !

''جو شخص یہ جانتے ہوئے فوت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوا ''

شرک نہ کرنے والا جنتی

طبرانی نے سلمہ بن نعیم الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ہے۔

من تقی اللّٰہ لا یشرک بہٖ شیاء دخل الجنّہ ، قال قُلتَ یا رسول اللّٰہ و ان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرقہ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے بغیر کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اللہ تعالیٰ سے مُلاقات کی وہ جنت میں داخل ہو گا۔

سلمہ بن نعیم فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہ وہ شخص زانی اور چور ہو ؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا !

ہاں ! خواہ وہ زانی بھی ہو اور چور بھی۔

رائی کے برابر ایمان

قاضی دحلان مکّی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ احادیثِ شفاعت میں اس قِسم کی بیشمار باتیں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم دوزخ سے اُس شخص کو بھی نکال لیں گے جس کے دل میں رائی کے برابر یا اس سے بھی کم تر ایمان ہوگا "

اور کم سے کم تر کا لفظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکرّر تین بار ارشاد فرمایا۔

حضرت علامہ سیّد محمد بن رسول البرزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک مستقل فصل قائم فرمائی ہے جس میں اِس قسم کی بہت سی احادیث کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو تمام تر اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جس شخص کے دِل میں ایک ذرّے سے بھی کم تر ایمان ہوگا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہے گا۔

نجات وایمان کی مزید وضاحت

علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ نے **شرح مقاصد** میں اور کمال ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے **المسابرہ** میں اور علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے شرح

اربعین میں بیان فرمایا ہے کہ آخرت میں شرطِ نجات یہ ہے کہ آدمی سے شہادتین یعنی توحید ورسالت کی گواہی کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو تو وہ نجات پائیگا۔

مگر جب اس سے توحید ورسالت کی تصدیق کی گواہی طلب کی جائے تو وہ اسلام سے کراہت وعناد کی وجہ سے یہ گواہی دینے سے رُک جائے یا اِنکار کردے تو اُسے نجات حاصل نہیں ہوگی۔

مطالبہ شہادت اور عذر صحیح

مطالبہ شہادتین میں کراہت وعناد کی اس شرط سے جو چیز واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص توحید ورسالت کی گواہی دینے سے انکار عناد کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور عذرِ صحیح کی وجہ سے رُک جاتا ہے اور اُس کا دِل ایمان سے مُطمئن ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملات میں کافر نہیں ہوگا ،بلکہ اگر وہ اس حالت میں کلمہ کُفر بھی کہہ دے تو اُس کو نقصان نہیں پہنچے گا۔

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے!

" اِلَّامَنْ اُکْرِہَ وَ قَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانْ "

یعنی اُس کا ایسا کرنا مجبوراً ہے اور اُس کا دِل ایمان سے مطمئن ہے

﴿النحل آیت ۱۰۶﴾

چنانچہ یہ تمام تر نصوص اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ایمان محض تصدیق کا نام ہے۔

جبکہ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایمان کے لئے صرف دِل سے تصدیق کر دینا ہی کافی نہیں اِس کے ساتھ ہی زبان سے اس کا اظہار بھی ضروری امر ہے۔ لہٰذا جو شخص باوجود قدرتِ اظہار رکھنے کے اظہار نہیں کرے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا۔ اور یہ بات بھی بہت سے لوگوں نے کہی ہے۔

اِختلافِ بیان

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مُسلم شریف کی شرح میں نقل کیا ہے کہ محدثین و متکلمین اور فقہاء اہل سُنت کا اس قول پر اتفاق ہے مگر یان اتفاق پر اعتراض وارد کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ ! علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شرح اربعین میں فرماتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کے اماموں میں سے ہر ایک کا یہ قول ہے کہ ایسا شخص ترکِ اظہارِ اسلام کی وجہ سے نافرمان مومن ہے۔

معروف و غیر معروف الفاظ میں گواہی

جمہور اشاعرہ اور بعض محققینِ حنفیہ کا مذہب جیسا کہ کمال بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ زبان سے اقرار کرنا صرف، نبوی احکام کے اجراء کی شرط ہے۔ بعد ازاں اُنہوں نے اس کے متعلق عُلمائے کرام

کے اختلاف کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ توحید و رسالت کی گواہی اُنہی الفاظ میں دی جاسکتی ہے جو معروف ہیں"

یعنی لآ اِلٰه اِلَّا اللّٰه مُحَمَّد رَسُوْلُ اللّٰه یا ایسے غیر معروف الفاظ سے بھی کام چل سکتا ہے جن سے اظہارِ ایمان ہوتا ہو۔

چُنانچہ اس سوال کے جواب میں وہ علمائے کرام کے دو قول بیان فرماتے ہیں!

اوّل ! یہ کہ یہ گواہی معروف الفاظ سے ہی مشروط ہے۔ اور دُوسرے الفاظ ناکافی ہو گئے۔

دوم ! وہ قول جسے پہلے پر ترجیح حاصل ہے یہ ہے کہ ایمان کے لئے توحید و رسالت کی گواہی معروف الفاظ سے مشروط نہیں بلکہ ایمان معروف الفاظ ادا کرنے کے بغیر بھی انعقاد پذیر ہو جاتا ہے۔

علامہ برزنجی کی تحقیق

علامہ برزنجی علیہ الرحمۃ کی تحقیق یہی ہے کہ توحید و رسالت کی گواہی دینے سے مُراد یہ نہیں ہے کہ مخصوص الفاظ ہی ادا کیئے جائیں جبکہ امامِ غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول سے اختلاف ہے جس کا ذکر الروضہ میں علامہ نووی علیہ الرحمۃ نے کیا ہے۔

علامہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول منہاج میں اس طرح بیان کیا گیا ہے

کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایمان بغیر معروف الفاظ کے دہرائے
بھی منعقد ہو جاتا ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص معروف قول لا الہ الا اللہ کی بجائے !

"لا الہ غیر اللہ"

یا "ما عدا اللہ"

یا "سویٰ اللہ"

یا "ما من الہ الا اللہ"

یا "لا الہ الا الرحمٰن"

یا "لا رحمٰن الا اللہ"

یا "الا البـــاری" کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اُس نے "لا الہ الا اللہ" کہا ہے۔

اسی طرح اگر وہ "محمد رسول اللہ" کی بجائے،

"محمد نبی اللہ"

یا "محمد مبعوثہ"

یا "احمد و ماحی" وغیرہ کے الفاظ استعمال کرے یا وہ ان الفاظ کے معنی عجمی زبانوں میں ادا کرے تو اُس کا اسلام درست ہوگا۔ اور اُس پر مُسلمان ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

حضرت ابوطالب کا ایمان واسلام

بعد ازاں علامہ برزنجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جب تو اِن امورکو اچھی طرح جان گیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اخبارِ متواترہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی مکرم حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت بھی کرتے تھے اور دین کے سلسلہ میں آپ کی امداد واعانت بھی کرتے تھے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامینِ عالیہ کو سُن کر ان کی تصدیق بھی فرماتے تھے اور اپنے بیٹوں سیّدنا جعفر اور سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباعِ کاملہ اور مدد کرنے کا حکم بھی صادر کرتے تھے۔

آپ کے کلام سے
تصدیقِ توحید ورسالت

علاوہ ازیں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اشعار میں حضور رسالت مآب علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی تعریف وتوصیف اور نعت و منقبت میں ایسے الفاظ بیان کرتے تھے جو واضح طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اور دینِ اسلام کی صداقت کے اعلان میں آپ کے مشہور کلام کا ایک شعر یہ ہے کہ !

میں جانتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین

تمام مخلوقات کے دین سے بہتر ہے"

اور ایک دوسرے شعر میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسروں کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں !

"کیا تُم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے ہی رسول پایا ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام تھے "

اور بے شک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی وصیّت کرتے ہُوئے فرمایا !

" خُدا کی قسم ! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے غلبہ حاصل کرلیا ہے اور عرب و عجم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطیع ہو چکے ہیں تو اب کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ دوسرے لوگ تُم پر سبقت لے جائیں اور تُم سے زیادہ سعادت مند ہو جائیں"

جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ وصیّت اپنی زندگی میں مُتعدد بار کی ہے ، کبھی آپ یہ الفاظ جمیع قریش کے سامنے دہراتے ، اور کبھی محض اپنے قبیلہ بنو ہاشم کو اِن امور کی ترغیب دیتے۔

خاص طور پر آپ نے اپنے وصال کے وقت تمام قریش کو جمع کر کے ایک طویل وصیّت باین الفاظ کی !

عداوت کے خوف سے اِنکار کرتی ہے۔

خُدا کی قسم ! میں اُن واقعات کو ابھی سے دیکھ رہا ہوں جو ظہور پذیر ہونے والے ہیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ باشندگانِ عرب اور اکناف و اطراف کے ضعیف و نادار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت الیٰ الحق کو قبول کر چکے ہیں۔ اور ان کے کلمہ کی تصدیق کرنے کے بعد ان کی عظمت احکام کے پرچم بُلند کر رہے ہیں۔ اور ان کے حُکم پر خود کو موت کے مُنہ میں دھکیل چکے ہیں۔ اور قریش کے سردار بن گئے ہیں"

جب کہ اس کے برعکس رؤسائے قریش ان لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اور ان گھر ویران و برباد ہو گئے۔

میں دیکھ رہا ہوں ! کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمزور ساتھی اربابِ اقتدار بن چکے ہیں اور قریش کے بڑے بڑے رؤسا اُن کے سامنے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے جو دُور تھے وہ قریب ہو کر بُلند بخت ہو چکے ہیں۔

اور یقیناً عرب نے آپ کی محبت کے لئے خود
کو مخلص بنا لیا ہے۔ اور ان کی اتباع میں اپنی جانیں
ان کے سپرد کردی ہیں"

تو اے گروہِ قریش ! تُم لوگ بھی اپنے بھائی
کے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دو اور آپ
کے ساتھیوں کی نصرت وحمایت کرو۔

خُدا کی قسم ! جو شخص بھی ان کی اطاعت و
اتباع کرے گا وہ رُشد و ہدایت اور فوز وفلاح حاصل
کرلے گا اور جو ان کی سیرت کو اپنا لے گا وہ نیک بخت
اور سعید ہو جائے گا۔

کاش !

میری زندگی میں مزید تاخیر واقع ہو جاتی اور
مُجھے کچھ عرصہ کے لئے مزید مہلت مِل جاتی تو میں
ان کی طرف آنے والے شدائد کا مکمل طور پر دفاع کر
دیتا اور مصائب وحوادث کو مٹا دیتا اور اِن کی طرف
آنے والی تمام آفات کو دور کر دیتا۔

وصیت پر غور و فکر کرو

علامہ قاضی دحلان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیّدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ وصیت نامہ نقل فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ !

وہ شخص جو اِس وصیت نامہ سے آگاہی حاصل کر چکا ہے اُسے چاہیے کہ وہ ان امور میں فکر و تدبر سے کام لے، اور غور کرے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن باتوں کا اپنی فراستِ صادقہ سے اظہار فرمایا تھا [illegible] صورت میں وقوع پذیر ہو کر رہیں۔ اور یہ اس امر پر دلالت کرتا [illegible] حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تصدیق فرماتے تھے۔

[illegible]سری وصیت فرمان اطاعت

[illegible] وصیت کے علاوہ ایک بار حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] لوگوں کو [illegible]صیت بھی فرمائی کہ جب تک تُم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ [illegible] کے اِرشاد [illegible] کو سُنتے رہو گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی اتباع کرتے رہو گے ہمیشہ خیر اور بھلائی میں رہو گے۔

پس اُن کی اطاعت اور فرماں برداری کرو تا کہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔

خُطبہٴ نکاحِ مُبارکہ

نیز یہ کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسالتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعریف وتوصیف آپ کی بعثت مُبارکہ سے قبل اس وقت بھی کی تھی جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے عقد مُبارک کیا تھا۔

جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح مُبارک کا خُطبہ پڑھتے ہُوئے حاضرین مجلس کو مخاطب کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا!

"تمام حمد وستائش اُس خُدا کے لئے ہے جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذُریّت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل اور معدؓ و مضرؓ کی اصل پاک سے پیدا فرمایا،

نیز ہمیں اپنے گھر بیت اللہ شریف زاداللہ تکریماً وتشریفاً کا نگہبان اور پاسبان بنایا اور حرم کے امور کا پیشوا مقرر فرمایا اور ہمارے لئے ایک ایسا گھر مقرر فرمایا اطراف واکناف کے لوگ جس کے حج کے لئے آتے ہیں اور یہ وہ حرم ہے جہاں امان حاصل ہوتی ہے اور ہمیں لوگوں پر حاکم مقرر فرمایا!

امّا بعد! یہ میرے بھائی کے بیٹے، حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم ایسے نوجوان ہیں کہ اِن کے ساتھ شرافت وسیادت اور فضیلت وفراست میں جِس کسی کا بھی تقابل اور موازنہ کیا جائے گا یہ اُس سے بڑھ جائیں گے۔

خُدا کی قسم ! اِن کا مُستقبل نہایت شاندار ہے اور ان کے لے عظیم بشارت ہے۔

یہ فراستِ صادقہ

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خُطبہ مُبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مُبارکہ سے پندرہ سال قبل ارشاد فرمایا تھا،

لٰہذا غور فرمایئے ، کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فراستِ صادقہ سے رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلیہ وَ آلہٖ وَسَلَّم کی بعثت مُبارکہ سے پہلے ہی کِس طرح آپ کے لئے ہر بھلائی اور خیر کو محسوس کر لیا تھا۔

اور پھر جیسے آپ نے فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبعوث برسالت ہونے کے بعد ویسے ہی وقوع پذیر ہوا۔ چُنانچہ یہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے کی زبردست اور مضبوط دلیل ہے۔

کیسے تکلیف ہوتی ہے

امام بخاری اپنی تاریخ میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ قریش نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے بھائی کے یہ بیٹے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قول کفار کو دہراتے ہوئے عرض کیا کہ آپ کے ان عم زادوں کا گمان ہے کہ آپ انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں؟

جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات سن کی حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دو تو جب بھی میں اس کام یعنی دعوت و تبلیغ حق سے باز نہیں آؤں گا۔ حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اس کام میں کامیابی عطا فرمادے یا میں اس کو سرانجام دیتا ہوا ہلاک ہو جاؤں،

یہ جملہ ارشاد فرما کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور رونے لگے۔ حضرت ابو طالب نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حالت مبارکہ دیکھی تو تڑپ کر رہ گئے۔ اور پھر عرض کیا اے ابنِ اخی آپ کا جو جی چاہتا ہے علی الاعلان

کریں، خُدا کی قسم ! میں کبھی آپ کو ان لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ اور ساتھ ہی قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے بھائی کے بیٹے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

حضرت ابوطالب کا اعلان واقرار

غور فرمایئے ! کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھگڑا کرنے والے کُفّار کی موجودگی میں حلف اُٹھا کر اعلان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ حالانکہ کفار قریش ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شکایت لے کر آئے تھے کہ یہ ہمارے بتوں کی تکذیب کرتے ہیں"

علاوہ ازیں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اِرشاد پر بھی غور کیجیے کہ آپ نے کُفار کی شکایت پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ان لوگوں کا گُمان ہے کہ آپ اُنہیں تکلیف دیتے ہیں۔ اور اپنے طور پر یہ بات انہوں نے مُطلقاً نہیں کی کہ آپ انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ بلکہ تبلیغ دین کو کفار کے بیان کردہ معنوں میں کفار ہی کے لئے تکلیف قرار دیا ہے، کہ ان لوگوں کا خیال ہے کہ آپ یہ سب کُچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے کرتے ہیں تو ان کے گمان کے مطابق اگر یہ تکلیف کی بات ہے تو ان کو اذیت نہ دیں"

مگر جب اُن کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ اتنا ہی یقینی امر ہے جس یقین کے ساتھ تم سورج کو دیکھ رہے ہو تو یہ بات سُنتے ہی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کفار کے زعم کی نفی فرمادی اور ساتھ ہی اعلان کردیا۔

کہ خُدا کی قسم!

میرے بھائی کے بیٹے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، جس کا مطلب ہے کہ اگر آپ بتوں کو جھوٹا کہتے ہیں تو یہ دُرست بات ہے۔

ابو طالبؓ صاحب ایمان راویٔ حدیث

حضرت ابو طالبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کُچھ ایسی احادیث بھی بیان کی ہیں جن کے کلمات اِس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ صاحبِ ایمان تھے اور ان کا دِل توحیدِ خُداوندی سے لبریز تھا۔

پہلی حدیث

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ روایات میں سے ایک یہ ہے جسے خطیب بغدادی نے اپنی اَسناد کے ساتھ بیان کیا ہے

امام جعفر صادق، امام باقر، امام زین العابدین، امام حُسین، امام

المسلمین حضرت علی علیہم الصّلوٰۃ والسّلام،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والدِ گرامی حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ مُجھ سے میرے بھائی کے بیٹے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی اور خُدا کی قسم وہ یقیناً سچے ہیں۔

کیونکہ جب میں نے آپ سے پوچھا ! یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے ہیں تو آپ نے فرمایا صلہ رحمی اور ادائے نماز و زکوٰۃ کیلئے۔ اور نماز سے مراد اس وقت فجر اور عصر کی دو دو رکعتیں تھیں کیونکہ اوائلِ اسلام میں یہی دو نمازیں تھیں یا پھر نمازِ تہجد تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بعثت مُبارکہ سے پہلے بھی عمل تھا، اور ان کو نماز پنجگانہ پر محمول کرنا دُرست نہیں، کیونکہ نماز پنجگانہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد معراج کی رات فرض ہوئی کیونکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال بعثت مُبارکہ کے دسویں سال شوال المکرّم میں ہوا ،

اور زکوٰۃ سے مراد اس وقت مُطلق صدقہ مہمان کا اکرام کرنا تھا اور مال وغیرہ میں سے ہر قسم کے صدقات کو بھی زکوٰۃ پر ہی محمول کیا جاتا تھا اور معروف زکوٰۃ شرعیہ اور فطرانہ وغیرہ سب کے سب ہجرت مبارکہ کے بعد مدینہ منوّرہ زاداللہ شرفہا میں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال

مبارک کے بعد فرض ہوئے۔

دُوسری حدیث

اور ایسے ہی خطیب بغدادیؒ، حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو کہ حضرت اُمِ ہانی بنتِ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے روایت نقل کرتے ہیں، کہ میں نے حضرت ابو طالب سے یہ حدیث سُنی آپ فرماتے تھے کہ مُجھ سے محمد بن اخی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی!

کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم نے حکم فرمایا کہ میں لوگوں تک اُس کا یہ حکم پہنچاؤں کہ صلہ رحمی کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو عبادت میں شریک نہ کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک سچے اور امین ہیں۔

تیسری حدیث

اور ایسے ہی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے ابنِ اخی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ شُکر کرو کیونکہ اس سے رِزق میں فراوانی ہو گی اور کُفر نہ کرو اس سے مصیبت میں مُبتلا ہو جاؤ گے۔

چوتھی حدیث

ابنِ سعد خطیب بغدادیؒ، ابنِ عساکر حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ابنِ اخی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ وادیٔ ذی المجاز میں تھا مجھے شدید پیاس محسوس ہوئی اور میں نے اپنی پیاس کی شکایت حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کی حالانکہ وہاں کہیں پانی کا نشان تک نہیں تھا۔

مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زمین پر ایڑی مُبارک دبائی تو وہاں پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا اور آپ نے مجھے فرمایا ! چچا جان پانی پی لیجیے، چنانچہ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا"

محمد بن رسول برزنجی کا تبصرہ

یہ حدیث نقل فرمانے کے بعد قاضی دحلان مکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جنابِ محمد بن رسول برزنجی علیہ الرحمۃ اس مقام پر فرماتے ہیں کہ بغیر اہلِ توحید کے اللہ تبارک وتعالیٰ اس قسم کا مقدّس پانی کسی کے نصیب نہیں کرتا کیونکہ حضور رسالتمآبِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایڑی مُبارک کی رگڑ سے زمین سے برآمد ہونے والا پانی آبِ کوثر اور آبِ زم زم سے بہر صورت

افضل و اعلیٰ ہے۔

علاوہ ازیں امام برزنجی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں کہ جس شخص کے سامنے اس قسم کے معجزات ظاہر ہوں اُس کے دِل میں ان کی تصدیق کیسے وقوع پذیر نہیں ہوگی اور بے شک قرائنِ کثیرہ ان کی تصدیق پر دلالت کرتے ہیں۔

پانچویں حدیث

اور ابن عدی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی اے ابنِ اخی اللہ تبارک و تعالیٰ سے میری صحت کے لئے دُعا فرمایئے۔

چُنانچہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ ربُّ العزّت میں دُعا کی کہ الٰہی میرے چچا جان کو صحت و عافیت عطا فرما،، اُسی وقت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس طرح صحت یاب ہو گئے جیسے بیماری کا شکنجہ ٹوٹ گیا ہو۔

حافظ ابو نعیم دلائل النبوۃ میں ابی بکر بن عبداللہ بن جہم کے طریق

سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سُنی؛

روشن مشاہدے

آپ نے فرمایا کہ میرے والدِ محترم حضرت عبدالمطلب نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری پُشت سے ایک درخت پیدا ہوا جس کی بُلندی آسمان کو چھو رہی تھی اور اس کی شاخوں نے مشرق و مغرب کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اور فرمایا کہ میں نے ایک ایسا چمکتا ہوا نور دیکھا کہ اگر ستّر آفتاب بھی بیک وقت طلوع ہوں تو یہ روشنی اُن پر غالب رہتی۔ اور وہ اس کے سامنے مدھم رہتے ''

اور میں نے دیکھا کہ اس نور کے حضور میں عرب و عجم کے لوگ سجدہ ریز ہیں، اور اس درخت کی بُلندی اور روشنی میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا ہے اور یہ نور ایک لمحہ پوشیدہ رہنے کے بعد دوبارہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور میں نے قریش کے ایک گروہ کو اس کی شاخوں سے لٹکتے ہوئے دیکھا اور کُچھ لوگوں کو اس کے کاٹنے کے درپے پایا، مگر جب وہ قریب آئے تو انہیں ایک نوجوان نے پکڑ لیا، جو ایک پیکرِ حُسن و جمال اور خوبصورت ترین جوان ہے جس کے رُخِ انور کی مثل میں نے کبھی کوئی حسین نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی

ایسی خوشبو سونگھی ہے جو اُس کے جسمِ مُشکبار سے پھوٹ رہی تھی۔

پھر میں نے دیکھا کہ اِس خوبرو نوجوان نے اُن لوگوں کی پُشتیں توڑ دیں اور آنکھیں پھوڑ دیں جو اِس درخت کو کاٹنا چاہتے تھے۔ بعدازاں میں نے اُس درخت کی طرف ہاتھ بڑھا کر اپنا حصّہ لینا چاہا مگر کامیاب نہ ہوا۔

پھر میں نے پوچھا کہ یہ کس کا حصہ ہے؟

تو لوگوں نے بتایا کہ یہ اُنہیں لوگوں کا حصہ ہے جو اس درخت کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ خواب دیکھا تو خوفزدہ ہو کر بیدار ہو گیا۔ اور قریشی کاہنہ سے یہ تمام ماجرا بیان کیا تو اس کاہنہ کا چہرہ مُتغیر ہو گیا اور اُس نے کہا کہ اگر میں آپ کے خواب کی تصدیق کروں تو آپ کی پُشتِ انور سے ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو مشرق و مغرب کا مالک ہوگا۔ اور لوگ اس کی اطاعت کریں گے پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دُنیا میں تشریف لے آئے تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا شائد یہی وہ مولود ہے۔

ساتویں حدیث

اکثر طور پر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث بیان فرمایا کرتے تھے اور جب حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مُبارکہ ہوئی تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے خُدا کی قسم یہی وہ شجرِ نورابو

القاسم اور امین ہے۔

آپ نے ایمان چھپایا ہے

اور یہ جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تُم کیوں ایمان نہیں لاتے ؟ تو انہوں نے جواب میں کہا عار اور لوگوں کے طعنوں کی وجہ سے تو یقیناً آپ کا یہ کہنا اِس غرض سے تھا کہ آپ کا ایمان پوشیدہ رہے اور کفارِ قریش پر یہی ظاہر ہو کہ وہ اُن کے دین پر ہیں۔

چونکہ کفار قریش صرف یہی جانتے تھے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے ساتھی ہیں انہیں کے دین پر ہیں۔ اِس لئے وہ اِس حمایت و نصرت کو قبول کر لیتے تھے، جو حضرت ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور اُن کی تبلیغ کے سلسلہ میں کرتے تھے۔

اور اگر اس کے برعکس کفارِ قریش پر یہ ظاہر ہو جاتا کہ حضرت ابو طالب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئے ہیں اور ان کی اتباع اور فرمانبرداری کرتے ہیں، تو وہ لوگ آپ کے بھی مخالف ہو جاتے، اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نُصرت و حمایت نہ کر سکتے۔ پس آپ کے ارشاد السبۃ والعار کا یہی مقصد تھا کہ کفار پر یہی ظاہر ہو کہ وہ ان کے دین پر ہیں،

فرمانِ ابوطالبؓ

نیز عبد بن سعید جنابِ عبداللہ بن ثعلب بن صعیر العذری سے روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقتِ احتضار آیا تو آپ نے بنو عبدالمطلب کو جمع فرما کر بطور وصیّت ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں سُنتے رہے تو ہمیشہ خیر اور بھلائی پر رہو گے۔

اور یہ جو بھی حکم تم لوگوں کو دیں اس کی اتباع اور تابعداری کرو ان کی اطاعت وحمیت کرو تا کہ تمہیں فلاح و بہبودی اور رُشد و ہدایت نصیب ہو۔

کیسے ہو سکتا ہے؟

اِس مقام پر حضرت امام سیّد محمد رسول البرزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات تو ویسے ہی بعید از عقل ہے۔ کہ جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ معرفت بھی حاصل ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع و پیروی کرنا ہی راہِ ہدایت ہے اور آپ دوسروں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کی تلقین کرتے ہوں اور پھر خود ہی اس اتباع کو چھوڑ دیں۔

حضرت علی کو حضور کی اتباع کا حکم

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ الاصابہ میں روایت نقل کرتے ہیں کہ جنابِ شیرِ خدا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا!

کہ جب میرے والدِ گرامی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں تو انہوں نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اپنے چچا کے بیٹے کی اطاعت کو خود پر لازم کرلو۔

حضرت جعفر طیّار کو نماز کا حکم

دوسری روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے بیٹے سیّدنا جعفر طیّار ذوالجناحین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ تم بھی اپنے ابنِ عم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرو۔

چنانچہ اپنے والدِ گرامی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ساتھ اسی طرح نماز ادا فرمائی جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔

ابو طالب رضی اللہ عنہ دین کے مصدق تھے

امام اہلِ سنّت سیّد محمد بن رسول البرزنجی قدس سرّہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی تصدیق کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس بات پر کیسے خوش ہو سکتے تھے کہ اُن کے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں نماز ادا کریں ؟

بلکہ اس سے بڑھ کر اپنے بیٹے کو یہ حکم دیں کہ تم بھی اسی طرح نماز ادا کرو جبکہ یہ مسلمہ اَمر ہے کہ دین کی دُشمنی تمام تر عداوتوں سے سخت تر اور شدید ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے !

کل العداوت قد ترجی اماتتها

العداوة من عاداک فی الدین

پس یہ تمام خبریں اس اَمر کی صراحت کرتی ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دِل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ایمان رچا بسا ہوا تھا۔

بحیرا راہب سے مُلاقات

اور انہیں روایات میں سے یہ بھی ہے کہ حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب کہ آپ کی عمر مُبارک نو سال کی تھی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں شام سفر کیا تو راستہ میں ہی بحیرا راہب نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نبوّت کی نشانیاں دیکھ کر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مطلع کیا کہ آپ انہیں یہیں سے واپس لے جائیں مبادا کہ انہیں اہلِ یہود کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کریں، تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیرا راہب کی بات پر عمل کرتے ہُوئے فوراً ہی وہاں سے آپ کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ زاداللہ شرفہا میں واپس تشریف لے آئے۔

بچپن کے معجزات

اور ان روایات میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے ہونے والی بارش کا بھی مشاہدہ کیا تھا، جیسا کہ خطابی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں مکّہ معظّمہ میں قحط کی صورت پیدا ہوئی تو قریشِ مکہ

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔

چنانچہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے کوہِ قبیس پر تشریف لے گئے اور پھر بیت اللہ شریف زاد اللہ اکرامہا میں حجرِ اسود کے مقام پر کھڑے ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُنگشت مبارک اُوپر کو اُٹھا دی حالانکہ اُس وقت آپ کے بچپن کا زمانہ تھا۔

بہرکیف ! حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُنگلی مُبارک اُٹھا کر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ ایزدی میں بارش کے لئے دُعا فرمائی تو اسی وقت موسلادھار بارش ہونے لگی۔

حضور کے وسیلہ سے دُعا

اور ایسے ہی حضرت عبدالطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مُبارک کے بعد حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی بارش ہونے کا واقعہ اُس وقت پیش آیا جب اہلِ مکہ دوبارہ شدید ترین قحط کی زد میں آگئے تو جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اَقدس میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ مکہ معظمہ کی وادی کو قحط نے گھیر لیا ہے اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اہل وعیال پریشان ہیں" لہٰذا آپ تشریف لاکر بارش کے لئے دُعا کیجئے۔

جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسی وقت حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ساتھ لے کر اور کعبہ شریف میں تشریف لے آئے اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پُشتِ انور کو بیت اللہ شریف کے ساتھ لگا کر آپ کی اُنگشتِ مقدس آسمان کی طرف اُٹھا دی اور اُس وقت حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابھی کم سن تھے، مگر آپ کی اُنگلی مُبارک کا اشارا ہوتے ہی مَطلع اَبر آلود ہونے لگا حالانکہ اس سے پہلے اَبر کے ایک ٹکڑے کا بھی نشان تک موجود نہیں تھا، مگر آپ کا اشارا ہوتے ہی تہہ بر تہہ اُمڈ اُمڈ کر بادلوں نے جمع ہونا شروع کر دیا اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور اِس زور کا مینہ برسا کہ تمام اونچی نیچی وادیوں میں جل تھل ہو گیا۔

پہلے نعت گو اور پہلی نعت

چنانچہ جب حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مبارکہ ہو چکی تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریشِ مکہ کے سامنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بچپن کے زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والی برکات کا تذکرہ اس طرح فرماتے کہ !

وابیض یستسقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة الارامل

یہ وہ حسین چہرۂ اقدس والے ہیں جن کے رُخِ انور

سے بادل بارش طلب کرتے ہیں، آپ یتیموں کی
جائے پناہ اور بیواؤں کی نگہبانی فرمانے والے ہیں۔

باوذبہ الملاک من آل ھاشم
فھم عندہ فی نعمۃ وفواضل

بنی ہاشم جیسے لوگ بھی مُشکلات اور تباہی کے وقت میں
ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کی نعمتوں
اور فضل کے خزانوں پر گزارا کرتے ہیں۔

یہ مشاہدات

پس یہ تمام تر اخبار و آثار اس امر کی صراحت اور وضاحت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہر ہونے والی رسالت کی نشانیاں، معجزات اور خوارقِ عادات کا مشاہدہ فرمایا تھا جس سے لازم آتا ہے کہ وہ ان کی تصدیق فرمائیں اور آپ پر ایمان لا کر مومن ہوں۔ اور اس بات میں نہ تو کسی قسم کا شک وشُبہ ہے اور نہ ہی تردّد کرنے کی ضرورت ہے ''

خصوصیت کے ساتھ یہ کہ اس کے علاوہ بھی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی نشانیوں اور خوارقِ عادات کا کا مشاہدہ آپ کے بچپن مبارک میں ہی کر لیا تھا۔

حضرت ابوطالبؓ کا دستر خوان

اور انہیں امور میں ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلیل المال اور کثیر العیال تھے۔ اور جب آپ کے اہلِ خانہ الگ الگ کھانا کھاتے تو سیر نہ ہوتے مگر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی برکت سے سب لوگ شکم سیر ہو جاتے۔ اور اگر کبھی حضور سرورِ کونین علیہ التحیۃ والثناء دستر خوان پر تشریف فرما نہ ہوتے تو آپ اپنے اہل و عیال کو فرماتے رُک جاؤ اور پہلے میرے بیٹے کو تشریف لے آنے دو پھر کھانے کو ہاتھ لگانا۔

چنانچہ جب حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کھانا شروع کر دیا جاتا تو سب کی شکم سیری کے باوجود بھی کھانا باقی بچ رہتا،

حضور کا تبرک کردہ دودھ

اسی طرح اگر دستر خوان پر دودھ موجود ہوتا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے پہلے دودھ کا پیالہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتے،

جب آپ اس دودھ کو تبرک بنا دیتے تو حضرت ابوطالب رضی اللہ

تعالیٰ عنہ دیگر اہل وعیال کو باری باری پلانے کے بعد بچا ہوا دودھ آخر پر نوش فرماتے اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارا کر کے فرماتے یہ بہت برکت والے ہیں "

آغوشِ ابوطالبؓ میں سوتے

حافظ ابونعیم اور دُوسرے محدثینِ کرام نے حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ اور والہانہ محبت کرتے تھے اور ایسی محبت آپ اپنی اولاد سے بھی نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ کو آغوشِ مُبارک میں لئے بغیر نہ سوتے تھے۔ اور نہ ہی آپ کو لئے بغیر گھر سے باہر نکلتے تھے۔

حضور کی حضرت ابوطالب سے محبت

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ شدید محبت اِس بات کی مقتضی ہے کہ حضور سَرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اُن سے ایسی ہی محبت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرب واتصال کے قرار نہیں آتا تھا۔ حتیٰ کہ جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قریش نے مجھے اب

تکلیفیں پہنچانا شروع کر دی ہیں مگر جب تک میرے چچا ابو طالب بقیدِ حیات رہے مجھے کفارِ قریش کی طرف سے کوئی اذیّت نہیں پہنچی۔

اور پھر جب قریش کی طرف سے زیادتیاں اور اذیتیں بڑھیں تو حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمِ تصور میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ! چچا جان آپ کے بعد مجھ پر کس قدر تیزی سے مصائب نے یورش کر دی ہے۔

عام الحزن یعنی غم کا سال

چونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وصال یکے بعد دیگرے ایک ہی سال میں ہو گیا تھا چنانچہ اس دوہرے غم کے پیشِ نظر حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کا نام "عام الحزن" یعنی غم کا سال رکھ دیا "

شعب اَبی طالب میں

علاوہ اَزیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت مقدسہ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تو کفارِ قریش نے باہم مشورہ کیا کہ یہ معاملہ اَب بہت آگے بڑھ گیا ہے لہٰذا اَب مُناسب یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ قتل کر دیا جائے اور بنی ہاشم اگر آمادۂ فساد

ہوں تو ہم انہیں کہیں کہ ہم سے اس کے معاوضہ میں دیت لے لو۔ اور اگر پھر بھی رضامند نہ ہوں تو انہیں قصاص پیش کر دیں کہ وہ اپنے آدمی کے بدلے قریش میں سے کسی ایک کو قتل کر لیں اور اگر بنو ہاشم اِس اَمر پر بھی رضامند نہ ہوں تو پھر ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے۔

کفارِ مکہ کا معاہدہ

چنانچہ کفار مکہ نے ہر پہلو کا جائزہ لیتے ہوئے آپس میں یہ معاہدہ طے کر لیا اور پھر ان سب باتوں کو تحریر میں لاتے ہوئے لکھا کہ اگر بنو ہاشم ہمارے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے نہ کریں تو اُن کا بازار میں آنا جانا اور ہر قسم کی خرید و فروخت کرنا بند کر دیا جائے۔

اور اُن سے ہر قسم کی رشتہ داریاں منقطع کر لی جائیں اور آئندہ اُن کے ساتھ شادیاں وغیرہ کرنے کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔

کفار کا یہ معاہدہ جب پورے کا پورا تحریر میں آ چکا تو سب لوگوں کے دستخط کروا کے اسے کعبہ شریف میں معلّق کر دیا گیا۔

جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفارِ مکہ کے اِس انتہائی اقدام کی اطلاع ملی تو آپ نے تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو جمع فرمایا جن میں سے کچھ دولتِ ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اور کچھ ابھی ایمان نہیں لائے

تھے اور پھر اِن سب کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کے لئے شعب میں آ گئے۔

اِس اَمر میں جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہاشمیوں میں سے سوائے ابولہب کے کسی شخص نے بھی ہرگز اختلاف نہیں کیا۔

پھر جب یہ بات کفار مکہ کے علم میں آئی تو انہوں نے اپنے معاہدہ کی توثیق کرتے ہوئے بنو ہاشم کا مکمل طور پر مقاطع کر دیا، اور اعلان کر دیا کہ بنو ہاشم کے ساتھ نہ تو مجالس میں بیٹھا جائے اور نہ ہی ان کے ساتھ شادیاں وغیرہ کی جائیں اور نہ ہی ان کے ساتھ کبھی صلح کی جائے۔ اور پھر اس عہد نامہ کو کعبہ شریف کے اندر معلّق کر دیا اور بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔

جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع اپنے لواحقین کے تین سال اور بقول بعض دو سال شعبِ ابی طالب میں محصور رہے۔

اور اِس عرصہ میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو شدید ترین مصائب کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ درختوں کے پتے کھا کر بھوک کی شِدّت کو مٹانا پڑتا۔

حضور کی حفاظت کے اقدامات

بہر حال حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس تمام عرصہ میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت وتحفظ کے لئے تمام تر حفاظتی تدابیر کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے۔

حتیٰ کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بستر مبارک ہر شب کو ایک سے دوسری جگہ پر منتقل کر دیتے۔ اور ان کی جگہ اپنے کسی دوسرے بیٹے یا بھتیجے کو سُلا دیتے۔ اور مبالغے کی حد تک آپ کی حفاظت کے سلسلہ میں سعی وجہد کرتے۔

حضور کی خبر پر یقین کامل

بالآخر جب ان مصیبتوں اور تکلیفوں کو تین سال کا طویل عرصہ گزر گیا تو اچانک حضور سرورِ کائنات اِمام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ چچا جان !

مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کفار قریش نے ہمارے ساتھ مقاطعہ کے سلسلہ میں جو معاہدہ ترتیب دے کر تحریر کیا تھا اور اُس کو کعبۃ اللہ میں معلق کر رکھا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور دیمک نے اس کی تمام تحریر کو چاٹ لیا ہے سوائے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اسمِ پاک کے۔ کیونکہ انہوں اس کی ابتداء میں باسمک اللّٰھم لکھ رکھا تھا۔

حضرتِ ابوطالب مسجدِ حرام میں

جناب ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب یہ خبر سُنی تو شعب ابی طالب سے نکل کر مسجد حرام میں تشریف لے آئے۔

آپ کو طویل عرصہ کے بعد پہلے دن بیت اللہ شریف میں دیکھا تو کفارِ قریش نے اس خیال سے جمع ہونا شروع کر دیا کہ بنو ہاشم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے کر دینے کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے۔ اور یہ لوگ مزید محاصرہ اور مقاطع کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔

چنانچہ سب لوگ جمع ہو گئے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ اگر تم نے ہمارا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اُسے (معاذ اللہ) قتل کر دیں۔

اُن کے جواب میں خواجۂ بطحا جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے پاس ایک درمیانی راستہ لے کر آیا ہوں۔ جس میں نصف حصہ تُمہارے مطالبے کا شامل ہے۔ اور نصف حصہ ہمارے مطالبے پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہے میرے بھائی کے بیٹے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے اور وہ کبھی جھوٹی بات نہیں کہتے۔

اُنہوں نے فرمایا ہے کہ قریشِ مکہ نے بنو ہاشم کے خلاف جو معاہدہ

تحریر کیا تھا اُس کے تمام الفاظ کو سوائے **باسمک اللھم** دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ اور اُنہوں نے بتایا ہے اس اَمر کی اطلاع اُنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دی ہے، کہ ہم نے اس معاہدہ پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے۔ جس میں انہوں نے بنو ہاشم پر ہر قسم کے جور و ستم اور قطع رحمی وغیرہ کی باتیں درج کر رکھی ہیں۔ اندریں حالات فی الواقع اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگر تمہارے معاہدے پر دیمک کو مسلط کر کے اسے ضائع کر دیا ہو تو یہ معاہدہ ازخود ختم ہو جاتا ہے۔

اور خُدا کی قسم!

اِس صورت میں مَیں کبھی اپنے اِبنِ اخی کو تُمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ مجھے موت آ جائے اور اگر اس کے برعکس میرے بھائی کے بیٹے کی یہ خبر غلط ہو تو میں انہیں تُمہارے حوالے کر دوں گا چاہے تُم انہیں زندہ رکھو اور خواہ قتل کر دو۔

کفارِ قریش نے جب جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ فیصلہ کُن گُفتگو سُنی تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اس پر رضامند ہیں اور دوسری روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ تم نے نہایت انصاف کی بات کہی ہے۔

چنانچہ اُنہوں نے معلق شُدہ عہد نامہ کو اُتارا اور کھول کر دیکھا تو اسے بعینہٖ اِسی حالت میں پایا۔ جس صُورت کی صادق ومصدوق پیغمبر نے اُنہیں اطلاع بھجوائی تھی۔ اپنے معاہدہ کی بربادی کا یہ عالم دیکھا تو قریش میں اکثر

لوگ کہنے لگے کہ یہ سب کچھ تمہارے بھتیجے نے جادو کے زور پر کیا ہے۔

اور بعض لوگوں کو ندامت کے پسینے چھوٹنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ ہماری اُس سرکشی اور ظلم و ستم کی وجہ سے ہوا ہے جو ہم اپنے بھائیوں یعنی بنو ہاشم کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔

دُعائے حضرت ابو طالبؓ

بعدازاں جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کو فرمایا کہ اے گروہِ قریش! تم نے اپنی آنکھوں سے اس اَمر کا مشاہدہ کر لیا جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی تھی۔ اب تم ہمیں محصور و محبوس نہیں رکھ سکتے۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہم پر ظلم ڈھاتے رہے ہو"

پھر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے ساتھ ہی کعبہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ شریف کے پردوں کو تھام کر بارگاہِ ایزدی میں ان الفاظ کے ساتھ دست بدعا ہو گئے۔

" اللّٰھم انصرنا علی من ظلمنا و قطع ارحامنا واستحل ما یحرم علیه منا "

پھر اس کے بعد حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں کے ساتھ ہی شعب ابی طالب میں تشریف لے آئے اور اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ قریش کا معاہدہ ٹوٹ چکا ہے اور محاصرہ ختم ہو گیا ہے۔ اور یہاں مزید بھی

طویل کلام موجود ہے۔

ہمارا مقصد

مگر ہمارا اِن واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُن بیشمار خصوصیتوں سے مطلع کر رکھا تھا جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آیات ومعجزات اور خوارق عادات کی صورت میں آپ کے بچپن مبارک سے لے کر آخر تک ظہور پذیر ہوتی رہیں۔ اور ان آیات و معجزات پر مطلع ہونے کے بعد جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلبِ انور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق اور ایمان رچ بس گیا تھا۔ اور حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تحفظ کے سلسلہ میں مبالغے کی حد تک احتیاطی تدابیر اور حفاظتی اقدامات اور حمایت وصیانت آپ کی اتباع ظاہری پر بھی روشن دلیل ہے۔

تاہم کفارِ قریش پر یہی ظاہر تھا کہ جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں کے دین اور مذہب پر ہیں اس لئے وہ لوگ ان سے مخالفت کی وہ قوت اور طاقت نہیں رکھتے تھے جو اس کے برعکس صورت میں ظاہر ہوتی۔

مگر باطنی امور اور قرار واقعی حقیقت کے پیشِ نظر جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان پر شک وشُبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قریش کی مکاریوں اور دھوکے کی جنگ میں اُس وقت تک نصرت و امداد کرتے رہے۔ جب تک آپ نے اپنی دعوت و تبلیغ کا فریضہ کما حقہ ادا نہیں کر لیا اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور نبوت کی تصدیق جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیشمار اشعار میں پوری وضاحت اور کامل صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

حضور کی حفاظت کے لئے

اور آپ کے بعض اشعار میں ایسے الفاظ بھی آ جاتے ہیں جن سے کفار قریش کو یہ گمان ہوتا کہ وہ اُن کے ساتھی ہیں اور اُن ہی کے مذہب پر ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اُنہیں دھوکے میں رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ حفاظت اور حمایت کرنے کے لئے تھا۔

ہم کہتے ہیں ! حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان اِس اُمر پر شاہدِ عدل اور نصِ صریح ہے کہ جنگ دھوکے کا نام ہے۔ چونکہ جنابِ ابو طالب کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت اور حمایت کے سلسلہ میں تمام کفار عرب سے بالعموم اور کفارِ قریش سے بالخصوص زبردست قسم کی سیاسی اور نفسیاتی جنگ درپیش تھی اس لئے اُن کو دھوکے میں رکھ کر اپنی مطلب براری کر لینا جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فراست و بصیرت کی زبردست دلیل ہے (مترجم)

قصائدابو طالبؓ میں تصدیقِ نبوت

بہرکیف امام اہلِ سنّت حضرت قاضی دحلان مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں کہ جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیشمار اشعار اِس امر پر دلیل صریح کا حکم رکھتے ہیں کہ آپ نے واضح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تصدیق کردی تھی۔

جیسے کہ ہم پہلے بھی یہ شعر نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابوطالبؓ نے فرمایا!

کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح پایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صحت کے ساتھ کتابوں میں مذکور ہے۔

اور حضرت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیت آپ کے اُس طویل ترین قصیدہ میں موجود ہے۔ جو آپ نے شعب ابی طالب کے محاصرہ کے زمانہ میں قریش کو مخاطب کر کے انشاء فرمایا تھا۔

اور آپ کا یہ قصیدہ ء بلیغہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت اور آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق اور آپ کی شدتِ حمایت پر دلیل صریح ہے۔

چنانچہ اس کا مطلع ہے !

الا بلغا علی ذات نبینا

لؤیلو خصاص نوی بن کعب

الم تعلموا انا وجدنا محمدا

رسولا کموسی صح ذالک الکتب

اور روایت ہے کہ حضور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نبی ہوں اور میرا ذکر اُسی طرح آسمانی کتابوں میں موجود ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ اسلام کا اور جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار بھی اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔

اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں میں سے محمد
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اپنی خاص محبت نازل فرمائی
ہے۔

اور اُن سے بہتر کون ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی
محبت کے ساتھ مخصوص کیا ہو۔

تو ربِّ کعبہ کی قسم ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کو نہ تو سخت ترین شدائدِ زمانہ کی وجہ سے اور نہ ہی کسی
بڑی سے بڑی مصیبت سے ڈر کر چھوڑ سکتے ہیں۔

اور آپ کا یہ شعر جس میں آپ بارگاہِ رسالت میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ !

اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم نے آپ کا
اسمِ پاک اپنے اسمِ مقدس سے نکالا ہے چنانچہ وہ عرش
پر محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔

وشق له من اسمه ليجعله
فذو العزش محمود و هذا محمد

اِس شعر کو حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے "الاصابه" میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کیا ہے اور بعض نے کہا ہے حضرت حسان بن ثابت انصاری کا شعر ہے۔

تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سُنت سیّد محمد بن رسول البرزنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ امر اس سے مانع تو نہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ شعر ارشاد فرمایا ہو اور حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس پر تضمین کر لی ہو۔

قریش کی چال اور جناب ابو طالب کا جواب

نیز ایک بار قریش اکٹھے ہو کر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور ان کے ساتھ عمارہ بن ولید بن مغیرہ بھی تھا۔

چنانچہ وہ جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہنے لگے کہ یہ

خوبصورت جوان آپ لے لیں اور اس کے تبادلہ میں اپنا بھتیجا ''محمد''
ہمیں دے دیں تا کہ ہم اُسے قتل کر دیں۔

جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی یہ عجیب بات سُنی تو فرمایا ! کہ تم نے میرے ساتھ کیا انصاف کی بات کی ہے کہ میں تو تمہارے لڑکے کو لے کر اُس کی پرورش کروں اور تم میرے بیٹے کو مجھ سے لیکر قتل کر دو؟

اور پھر اس کے بعد فرمایا !

یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خُدا کی قسم !

یہ قریش اپنے تمام جتھوں سمیت اُس وقت تک آپ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے جب تک کہ میں زمین نہ دفن کر دیا جاؤں۔

آپ کو خُدا تعالیٰ نے جس اُمر پر مامور فرمایا ہے اُسے دِلجمعی سے پورا فرمائیں اور خوش رہیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے اور بلا شک و ریب آپ سچ فرماتے ہیں اور صادق و امین ہیں اور میں نے خوب جان لیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین تمام دنیا کے دینوں سے بہتر ہے۔

ربِّ کعبہ کی قسم ہم احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سختیوں کے حوالے نہیں کریں گے خواہ زمانہ کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو جائے۔

اور بعض لوگوں نے ان اشعار میں اس شعر کا بھی اضافہ کر رکھا ہے۔

لولا المبته او حذار ملامة

لوجدتني سمحاً بذالک بینا

یعنی اگر مجھے لوگوں کے طعن وملامت کا ڈر نہ ہوتا تو آپ مجھے ظاہر پر ایمان لانے والوں میں پاتے ، تو کہا گیا ! یہ شعر وضعی اور بناوٹی ہے جسے خواہ مخواہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں میں ٹھونس کر ان سے منسوب کرنے کی سعیء نامشکور گئی ہے اور یہ شعر ہرگز جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام میں نہیں"

اور آپ وہ حسین ہیں جن کے گورے مکھڑے کے
صدقہ سے بادل بارانِ رحمت طلب کرتے ہیں ،،
آپ یتیموں کے ملجا اور بیواؤں کے محافظ اور نگہبان
ہیں۔

اور جب بنی ہاشم ہلاکت کے مرحلہ میں داخل
ہوجاتے ہیں تو آپ کی رحمت اُنہیں اپنی پناہ میں لے
لیتی ہے۔

سو اشعار کا نعتیہ قصیدہ

جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ دو شعر اُن کے اسّی اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ کے ہیں۔ آپ کے اس قصیدہ مبارکہ کی علمائے کرام نے مستقل شرحیں لکھی ہیں اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آپ کا یہ مقدس

قصیدہ سو سے بھی زائد اشعار پر مشتمل ہے اور یہ قصیدہ آپ نے اس وقت انشاء فرمایا جب کفارِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کے سلسہ میں بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو شعب ابی طالب میں محصور ومحبوس کر رکھا تھا۔

اِن اشعار میں آپ نے واضح طور پر قریش کو بتایا تھا کہ ہم لوگ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تُمہارے حوالے کرنے کا مطالبہ کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ اُن کے سوا ہم سب ہلاک ہو جائیں۔

مصدقِ رسالت

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ومنقبت اور مدحت سرائی میں جنابِ ابوطالب کے مُتعدد ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں صراحتاً یہ کلام موجود ہے کہ آپ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کے مصدّق اور مومن ہیں۔

اِس کلام میں سے پیش ازیں بھی مُتعدد اشعار پیش کئے جا چکے ہیں اور درج ذیل اشعار سے بھی آپ کے مصدقِ رسالتِ مُصطفٰے علی صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مومن ہونے کی وضاحت ہوتی ہے۔ آپ تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ہدیۂ نعت ومنقبت پیش کرتے ہوئے کفارِ قریش کو یوں مخاطب فرماتے ہیں!

مجھے اپنی زندگی کی قسم !

☆ میں جنابِ احمدِ مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی جان اور مال سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اور آپ سے بے پناہ محبت رکھتا ہوں۔

☆ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا بیٹا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی جھوٹ نہیں بولتا، اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہمیں ان کے خلاف یاوہ گوئی کرنے والوں کی مُطلق پرواہ نہیں، ان کی مثل لوگوں میں کون سرداری کا زیادہ حقدار ہے۔ جبکہ سرداروں کے نزدیک شرف و کرامت اور بزرگی کا سوال اُٹھایا جائے۔

☆ آپ غصے اور طیش سے پاک حلیم الطبع، ہدایت یافتہ اور عقل مند ہیں۔ ان کا والی اور مددگار اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور وہ ان سے غافل نہیں۔

☆ ہم جنابِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیّت میں صُبح کرتے ہیں تو ہم پر آنے والی طویل سختیاں مختصر ہو جاتی ہیں۔

☆ میں نے آپ کی حمایت اور حفاظت کے لئے

اپنی جان کو وقف کر رکھا ہے اور جب تک میری جان
میں جان ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آنے والی
مصیبتوں اور بلاؤں کی مدافعت کرتا رہوں گا۔

بلاغت کا عظیم شہکار قصیدہ

اور اِس قصیدہ میں اس کی مثال میں کثیر اشعار موجود ہیں۔ جن میں
حُسنِ معانی اور فصاحت و بلاغت کا دریا موجزن ہے۔

حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ
قصیدہ مبارکہ بلاغت کا عظیم شہکار ہے، اور اس وقت تک اِس قسم کے اشعار
کہنے کی اِستطاعت نصیب نہیں ہوتی جب تک ان سے نسبت نہ ہو۔ اور یہ
عربی ادب کی کتاب سبع معلقات سے برتر اور افضل و اعلیٰ ہے۔ اور ادائیگیٔ
مفہوم کے اعتبار سے ان سے کہیں زیادہ بلیغ ہے۔

حضور کی حضرت ابوطالب سے محبت

امام بیہقی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل
کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوکر اپنے شہروں میں قحط اور خشک سالی کی شکایت کی تو رسول صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوگئے اور منبر شریف پر تشریف لے آئے اور آسمان

کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی، ابھی آپ کے مقدس ہاتھ اُوپر ہی تھے کہ بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک شروع ہوگئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش ہونے لگی۔

اور پھر اس قدر زور کی بارش ہوئی کہ بستی کے ڈوب جانے کا خدشہ لاحق ہوگیا

چنانچہ آپ کی خدمتِ اقدس میں یہ صورت حالات پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا!

اللهم حو الینا ولا علینا

یعنی اب بارش شہر کے اطراف و جوانب میں ہو اور ہم پر نہ ہو اور اس کے ساتھ ہی حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور آپ کے دُر دندان مُبارک موتیوں کی لڑی کی طرح چمکتے ہوئے نظر آنے لگے۔

پھر لب لعلیں پر کھیلتی مُسکراہٹ کے عالم میں آپ نے فرمایا!

اللہ تعالیٰ کے لئے خوبی ہو ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اگر وہ زندہ ہوتے اور بارش کے اس منظر کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں"

اور پھر فرمایا! کہ تُم میں ایسا کون ہے جو ہمیں اُن کے وہ اشعار

سُنائے۔

فرمانِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سُنا تو سیّدنا حیدر کرار علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کیا " آپ اُن کے یہ شعر سُننے کی خواہش رکھتے ہیں

وابیض یستقی انعم بوجھہ
ثمال الیتامیٰ عصمۃ الارامل

تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ! ہاں ہم یہی شعر سُننا چاہتے تھے۔

خوبی کیا ہے؟ یہ گواہی

حضرت علامہ محمد بن رسول البرزنجی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد کہ "للہ در ابوطالب" یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے خوبی ہو،

ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُن کے لئے گواہی ہے کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس عالم میں دیکھ لیتے کہ آپ منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ کے حکم سے بارش ہو رہی ہے تو وہ یقیناً خوش ہوتے اور اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔

وصالِ ابو طالب کے بعد گواہی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ گواہی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اُن کے وصال مبارک کے بعد کی ہے۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلماتِ طیّبات سُن کر خوشی اور فرحت محسوس کیا کرتے تھے۔ اور اُن کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی تھی۔

اور یہ قلبی سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک جبھی حاصل ہوسکتی ہے کہ وہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات کو جانتے تھے۔

علامہ برزنجی کا قول

اِس کی بعد علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دقیق معانی پر اچھی طرح غور و فکر کرو اور انہیں نگاہِ حقارت سے نہ دیکھو کیونکہ ہر علم والے کے اوپر اُس سے زیادہ جاننے والا ہے،

نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت سرائی اور نعت و منقبت میں کہے ہوئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار میں سے یہ شعر بھی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے رسالتِ مُصطفےٰ علی صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق فرمادی تھی۔

تصدیق کے الفاظ

جب ایک روز قریش برائے مفاخرت جمع ہوئے تو کہا کہ اگر قریش میں کوئی قابلِ فخر ہستی ہے تو وہ جنابِ عبدِ مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ والاصفات ہے۔

اور اگر عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انساب کا ماحصل کسی کو قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ شرف وفضیلت کا مجموعہ جناب ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور اگر جناب ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے کوئی قابلِ فخر و مُباہات اور لائقِ تکریم ہَستی ہے تو وہ جناب محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔

اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول اس حدیثِ پاک کے موافق ہے کہ !

واصطفانی من بنی هاشم

یعنی ہمیں بنو ہاشم سے چُنا گیا ہے

یہ قولِ ابوطالبؓ کی تصدیق ہے

علامہ برزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ نطقِ بالوحی حضور سیّد

الانبیاء سرورِ کائنات نبی ءِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مُعظمہ سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ حدیث اُس وقت بیان فرمائی جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی بات کہے ہوئے ایک مُدت ہو چکی تھی، اور قرآنِ پاک کی طرح حدیث بھی وحی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ان اخبار و اشعار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور یہ بات اُن کی نجات کے لئے کافی ہے۔

قولِ ابو طالبؓ اعتمادِ قلب

وہ جانتے ہیں کہ ہمارے بیٹے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نہ تو تکذیب کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی جھوٹی بات اُن سے منسوب کی جاسکتی ہے۔

علامہ قیرانی شرح التنقیح میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ بات تصریحِ زبان اور اعتمادِ قلب کے ساتھ کہی گئی ہے۔ اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ظاہر و باطن میں ایمان لا چکے تھے بسوائے بظاہر انکار کرنے اور فروعات کو قبول نہ کرنے کے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان کہ حق بات وہی ہے جو میرے بھائی کا بیٹا کہتا ہے اور اگر مجھے قریش کی عورتوں کے طعنوں کا ڈر نہ

ہوتا تو اُن کی ضرور اتباع کرتا۔

تو اس کا جواب پہلے بھی دیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اظہارِ ایمان میں صرف یہ خوف لاحق تھا کہ ایسا کرنے سے کفارِ مکہ اُن کی اس حمایت کو قبول نہیں کریں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں کر رہے تھے، نیز قریشی عورتوں کے طعن کا ذکر کرنا بھی اس لئے ضروری تھا کہ قریش یہی گمان کرتے رہیں کہ وہ انہیں کے دین پر ہیں اور یہ عذر اس امر کے ساتھ درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت الی الحق کا فریضہ کما حقہ ادا کر کے مسندِ رسالت پر متمکن ہو جائیں۔

محض توحید و رسالت کی گواہی سے نجات ممکن نہیں

صحیح مسلم میں حدیث آئی ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس شخص کو بھی جہنم سے نکال لیں گے جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا یہ حدیث اور اس کی مثل دوسری احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ محض زبان سے توحید و رسالت کی گواہی دینا شرطِ نجات نہیں۔ کیونکہ اقرارِ توحید و رسالت کرنے کے باوجود منافقین نا صرف جہنم میں داخل کئے جائیں گے بلکہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

حضرت ابوطالبؓ مُشرک نہ تھے

پھر اس کے بعد سیّدنا محمد بن رسول البرزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اُس شخص کو اِس سے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کا قائل ہونا ہی پڑے گا جس کے لئے آخرت میں نجات کے لئے تصدیقِ توحید ورسالت ہی کافی ہے۔ اور یہی طریقہ ہمارے آئمہ اشاعرہ میں سے متکلمین نے اختیار کیا ہے اور وہ طریق یہ ہے جو احادیثِ شفاعت پر دلالت کرتا ہے اور احادیثِ شفاعت کثیر تعداد میں موجود ہیں اور تمام تر احادیث میں واضح طور پر یہ تصریح موجود ہے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطلق طور پر کسی بھی مُشرک کی شفاعت نہیں کریں گے جبکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفاعت آپ یقینی طور پر فرمائیں گے۔

جیسا کہ یہ بیان آگے آئے گا اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرک نہیں تھے۔

اِس کے بعد علامہ برزنجیؒ اُن دلائل کا ذکر فرماتے ہیں جن سے جناب ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات نہ ہونے کے قائلین تمسک کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ جو استدلال عدمِ نجاتِ ابوطالب کے متعلق پیش کرتے ہیں وہی استدلال اُن کی نجات پر دلالت کرتا ہے۔

اور اس میں سے یہ ہے جو بخاری ومُسلم نے روایت کیا کہ نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عم محترم حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا احاطہ کئے رہتے تھے اور آپ کی حفاظت و نصرت فرماتے تھے اور آپ کے لئے لوگوں کے ساتھ غضبناک ہو جاتے تھے۔ کیا ان امور کا اُنہیں کُچھ نفع بھی پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ! ہاں میں نے انہیں آگ میں ڈوبا ہوا پایا یعنی وہ آگ میں تھے جیسا کہ تفسیروں میں آتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اُنہیں آگ کے ایک طبقہ میں پایا تو وہاں سے نکال کر اُنہیں مقامِ ضحضاح پر لے آیا اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوتے۔ اور ضحضاح پانی کی صورت بہنے والی آگ ہے۔ جو ان کی ایڑیوں تک پہنچتی ہے۔

اور بخاری مسلم میں دوسری روایت حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اُنہیں قیامت کے دن میری شفاعت سے فائدہ پہنچے گا وہ مقامِ ضحضاح پر ہوں گے جہاں اُن کے پاؤں آگ میں ہوں گے اور اس سے ان کا دماغ کھولتا ہوگا۔

اور مسلم وغیرہ نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ اہلِ نار میں سب سے کم عذاب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوگا۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم نجات کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ اَحادیث صحیحہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفر پر اور اُن کے جہنم کی آگ میں ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

چنانچہ ان کی نجات کا قول ممکن ہی نہیں۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے اس حال کی خبر دے رکھی ہے جو قیامت کے دن اللہ تبارک تعالیٰ اور اُن کے مابین ہوگا اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دِل سے تصدیق نہیں کی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نصرت وحمایت کا جو جذبہ اُن کے سینے میں تھا وہ حمیّتِ عرب کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ اپنے سامنے کوئی شخص بھی اپنے بیٹے کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اور بیشک عبدالمطلب بھی اس قسم کا تکلف کیا کرتے تھے۔

اِسی میں نجات ہے

سیّد محمد بن رسول البرزنجی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں !

میں کہتا ہوں کہ انہیں احادیث کا نفسِ مضمون حضرت ابو طالب کی نجات پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ کفار و مشرکین کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نہ تو ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ہی اُنہیں جہنم کی آگ

سے نکالا جائے گا۔ اور نہ ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کچھ فائدہ پہنچائے گی۔

اور یقیناً یہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جہنم کی طبقۂ جحیم میں گنہگار مسلمانوں کو معذّب کیا جائے گا اور پھر اُن کو وہاں سے نکالا جائے گا۔ اور یہ آگ کا بڑا طبقہ ہے جہاں گنہگار مومنوں کو عذاب دیا جائے گا اور مومنوں کا عذاب بہرصورت کافروں کے عذاب سے کم ہے۔

اور یہ صحت سے ثابت ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عذاب علی الاطلاق تمام دوزخیوں سے کم ہوگا۔ حتیٰ کہ گنہگار مومنوں سے بھی آپ کا عذاب کم ہوگا۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نہ نقل کریں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عذاب تمام اہلِ نار سے کم ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے ؟

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر ہیں اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور ان کا عذاب بھی تمام اہلِ نار سے کم ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ گنہگار مومنوں سے کفر کا عذاب کم ہے، حالانکہ یہ بات کبھی کسی نے نہیں کہی کہ کافروں کا عذاب مومنوں کے عذاب سے کم ہے۔"

پس یہ ثابت ہے کہ جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عذاب تمام گنہگار مومنین سے کم ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نفع دے گی اور اسی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوئی ہے اور ان کے لئے تمام اہلِ نار سے کم تر عذاب مقرر کیا گیا ہے اور ان کو آگ کے نچلے طبقوں سے نکال لیا گیا ہے جہاں ان کو داخل کیا گیا تھا۔

اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو مقامِ ضحضاح پر لے آئے ہیں جہاں ان کو آگ کی جوتیاں پہنائی گئی ہیں اور یہ آگ کا وہ درجہ ہے جہاں سوائے ان کے پاؤں کے تلووں کے آگ ان کے جسم کے کسی حصّہ کو مس نہیں کرتی اور یہ اوپر کا طبقہ سوائے اِس اُمّت کے گنہگاروں کے اور کسی کے لئے نہیں۔

اور بیشک یہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ اس مقام سے بھی اُن لوگوں کو نکال لیا جائے گا جن کے دِل میں رائی کے دانہ اور ایک ذرّہ سے بھی کم بلکہ اس سے بھی کم اور اس سے بھی کم ایمان ہوگا۔

اور صحیح روایت میں ہے کہ اس طبقہ سے گنہگارانِ اُمت کے اخراج کے بعد اس کی آگ کو بجھا دیا جائے گا اور ہوا سے اس کے دروازوں کو اُکھاڑ دیا جائے گا اور وہاں جرجیر یعنی خوشبودار گھاس اُگا دی جائے گی اور وہاں جرجیر کا اگنا کس طرح درست ہوگا؟ جب کہ وہاں حضرت ابو طالب رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے تلووں کو آگ چھوتی ہوگی ،لہٰذا ضروری ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں سے نکال لیا جائے اور یہ تمام تر روایات صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

شفاعت اہل کبائر کیلئے ہے شرک کیلئے نہیں

اِس کے بعد امام اہل سُنّت سیّد محمد بن رسول البرزنجی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان صحیح کتبِ اَحادیث میں موجود ہے کہ آپ اپنی اُمت کے کبیرہ گُناہ والوں کی شفاعت فرمائیں گے اور ان روایتوں میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اُنہوں نے ارتکابِ شرک نہ کیا ہوتو اُس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کبائر کے لئے یہ شفاعت اس اختصاص کے ساتھ ہوگی کہ وہ مُشرک نہ ہوں۔

یعنی یہ شفاعت اہلِ کبائر کے گُناہوں کی بخشش کے ساتھ مختص ہے اور کافروں کا گُناہِ صغیرہ کرنا اور کبیرہ گُناہوں سے اجتناب کرنا اُن کے لئے نفعِ بخشش نہیں ہوگا کیونکہ کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی نفع نہیں دے گی اور نہ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ مُشرکین کی بخشش فرمائیں گے۔

اور جب مشرکین کی بخشش ہی نہیں تو وہ داخلِ شفاعت کس طرح

ہوں گے اور اُن کے کفر وشرک کا یہ گناہ دوسرے گناہوں کے مقابلہ میں نا قابلِ بخشش اور تمام عذاب کا مستحق ہے اور اہلِ کبائر کے برعکس کفارو مشرکین کا عذاب کبھی نہیں اُٹھایا جائے گا اور جب مشرک کی مغفرت نہ ہونا اور اُس کو تمام شافعین میں سے کسی کی شفاعت بھی نہ پہنچنا درست ہے اگر چہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت میں ہی کیوں نہ داخل ہو کیونکہ کافروں کو شفاعت کوئی نفع نہیں دیتی جیسا کہ لا تنفعہم شفاعۃ وغیرہ

ہر خیر اور ہر بھلائی

اور جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو آپ کی شفاعت سے نفع پہنچنا واضح طور پر ثابت ہے کیونکہ اُن کے عذاب میں بھی تخفیف ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت مُبارکہ کے صدقہ سے وہ مقام ضحضاح پر لائے گئے جبکہ وہ اس سے پہلے آگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ اہل کبائر میں سے ہیں اور کافر نہیں ہیں۔ اور یہ ضروری ہے کہ تمام گنہگاران اُمت کو دوزخ کی آگ سے نکال لیا جائے اور وہ اُوپر کے طبقہ میں ہوں اور ان سب کو جہنم کی آگ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے "

اور یہی مطلب ہے حضور رسالتمآب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا کہ مجھے ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اپنے

پروردگار سے ہر قسم کی بھلائی اور خیر کی اُمید ہے۔

کفر میں بھلائی کہاں؟

چنانچہ ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا ! کہ کیا آپ جناب ابو طالب کے معاملہ میں پُر اُمید ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا ! ہاں ! مجھے اپنے پروردگار سے اُن کے لئے ہر بھلائی اور خیر کی اُمید ہے۔ اور ہر بھلائی کی اُمید سوائے مومن کے کسی دوسرے کے لئے نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی یہ جائز ہے، کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُراد اس ارشاد سے وہی تخفیفِ عذاب ہو جو حاصل ہو چکی تھی۔

پس یہ خیر اُن کے لئے ہرگز پہلے سے زیادہ نہیں چہ جائیکہ اسے کُل خیر اور تمام بھلائی سے موسوم کیا جائے۔ اور بے شک وہ تخفیف شر ہے اور بعض شر ایک دوسرے سے کم ہوتے ہیں اور تمام بھلائی یعنی کل الخیر یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں۔

والدین اور چچا کے لئے شفاعت

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے معتد بہ سند کے ساتھ اپنی کتاب

فوائد کے باب المناقب میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

کہ ہم قیامت کے دن اپنے والدین کریمین اور عمِ محترم جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دورِ جاہلیت کے بھائیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

امام محب طبریؒ نے اپنی کتاب "ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ" میں بھی یہ روایت نقل فرمائی اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور صراحت کی ہے۔

خالی کان فی جاہلیۃ سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں۔

امام محمد بن رسول البرزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ نار یعنی آگ جہنم کے تمام طبقات کا نام ہے۔ اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی الاطلاق تمام اہلِ نار سے کم عذاب میں ہوں گے۔ اور اس کہ وجہ یہ بیان کی گئی ہے آگ محض آپ کے پاؤں کے تلووں کو چھوئے گی۔ پس اُن کے کافر ہونے کا ہر گز کوئی جواز نہیں۔

کیونکہ صحیح اخبار واحادیث کے مطابق بعض مومنین کو صرف ایک گناہ خیانت نافرمانی بلی کو عذاب دینے یا تکبر کرنے کا عذاب اس سے بڑا دیا

جائے گا۔

ایک شخص کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اُس نے مالِ غنیمت میں سے ایک چادر چُرائی تھی اور وہ اس پر قیامت کے دن آگ بن کر بھڑ کے گی۔ اور ایک شخص جس نے اونی چادر چرائی تھی کے متعلق آتا ہے کہ اُس کے لئے اس چادر کے برابر آگ کی زرہ تیار کی گئی ہے اور جنت میں وہی جائے گا جس نے خیانت نہ کی ہوگی۔

شدید گناہ کونسے ہیں ؟

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے شدید اور بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ بلکہ بعض احادیث میں حقوق الوالدین کا ذکر خُدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کے بعد کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد خُداوندی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرو کسی کو اُس کے ساتھ شریک نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ اور صحیح حدیث کے مطابق تین گُناہ ایسے ہیں کہ جن کی موجودگی میں کوئی عمل بھی کارآمد نہیں ہوگا۔

اوّل ! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا

دوم ! والدین کی نافرمانی کرنا

سوم ! میدان جہاد سے بھاگ جانا

نیز صحیح حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن والدین کے نافرمان کو نظرِ رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔

حقوق الوالدین کیلئے شدتِ عذاب کے متعلق بے شمار احادیثِ صحیحہ موجود ہیں۔ حتیٰ کہ جو شخص نافرمانوں میں سب سے بعد جہنم سے نکلے گا وہ والدین کا نافرمان ہوگا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت بلّی کو محبوس کرنے کی وجہ سے آگ میں داخل ہوئی

بہت سی احادیث میں متکبرانہ انداز کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا گیا اور تکبّر کرنے پر شدید عذاب کی وعید سُنائی گئی ہے۔ اور اگر جناب ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر ہوتے تو کیا کفر کا عذاب کبیرہ گُناہ والوں سے کم ہوسکتا ہے؟

جب کہ یہ قطعی بات ہے کہ کبیرہ گُناہوں سے کفر کا عذاب بہر صورت زیادہ ہے اور اس بات میں تو شک کی گُنجائش ہی نہیں کہ کُفر کبیرہ گُناہوں سے بہت بڑا ہے اور دیگر کبیرہ گُناہوں کے مقابلہ میں ناقابلِ بخشش ہے۔

اور اگر ایسا کوئی گُنہگار مومن پایا جائے جو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کم عذاب میں مُبتلا ہے تو اس سے رسول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول میں اختلاف لازم آئے گا۔ کیوں کہ آپ نے حضرت

ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوتمام تر اہلِ جہنم میں سے علی الاطلاق کم تر پانے والا قرار دیا ہے۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ کا عذاب گنہگار مومنوں جیسا ہو، بلکہ تمام تر گنہگار مومنوں سے بھی کمتر عذاب ہوگا۔

اور یہ عذاب کبیرہ گناہ والوں کے مقابلہ میں زبان سے گواہی نہ دینے پر ہے۔

اگر ہم کہیں کہ آپ نے توحید کی گواہی نہیں دی تو یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کسی عذر کی بناء پر توحید کی گواہی نہ دینا اُن کی صحتِ ایمان کو مانع نہیں ہے۔ تاہم گواہی نہ دینے کو گناہ سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

ملّتِ عبدالمطلبؓ پر فوت ہونا

علاوہ ازیں اگر کسی شخص نے توحید کی گواہی تو دی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے سماعت نہیں فرمایا تو اسے عدم شہادت پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب کے احتضار کے وقت اُن کے پاس تشریف لائے تو وہاں پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ مخزومی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ تو رسول اللہ نے حضرت ابوطالب رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ چچا جان آپ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ کہہ دیجیے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لئے یہ حجت پیش کرسکوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان سنا تو ابو جہل اور عبداللہ بن اُمیّہ نے کہا! کہ اے ابو طالب کیا آپ ملّتِ عبدالمطلب کو چھوڑ رہے ہیں۔ چنانچہ دونوں جانب سے یہ تکرار جاری ہے اور ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر پر جو کلام کیا وہ یہ تھا کہ وہ ملّتِ عبدالمطلب پر فوت ہو رہے ہیں۔ اور لا الہ الا اللہ سے انکار کر دیا۔

یہ بھی تو حدیثیں ہیں

اور دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ایمان کے بارے میں حریص دیکھا تو عرض کیا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اگر مجھے قریش کہ ان طعنوں کا ڈر نہ ہوتا کہ میں نے موت کے ڈر سے گھبرا کر کلمہ پڑھ لیا تو میں یقیناً وہی بات کہتا جو آپ فرماتے ہیں۔

حضرت عباسؓ کی روایت

اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ

کے ہونٹوں کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا اور پھر اُن کے ہونٹوں پر کان رکھ دیئے اور اُن سے کلمہ شہادت سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا یا ابنِ اخی! خُدا کی قسم میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کا آپ نے اُنہیں حکم فرمایا تھا، مگر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لا الٰہ الا اللہ کی صراحت نہیں کی تھی کیونکہ اُس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی اسلام نہیں لائے تھے ،

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے نہیں سُنا تو اس قول کہ یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے قول کو اہمیت نہیں دی گویا کہ اُنہوں نے یہ بات کہی ہی نہ ہو۔

قائلینِ عدمِ نجاتِ ابو طالبؓ اس حدیث کو قبول نہیں کرتے کیونکہ اس میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی اسلام قبول کرنے کے زمانہ سے پہلے کی ہے " اور بعض نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

باوجود اس کے

اِس حدیث کو حضور علیہ السلام کا اہمیت نہ دینا یا بعض لوگوں کا اِسے ضعیف قرار دینا اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو جب بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ احکامِ دنیا کے لحاظ سے کافر تھے مگر اللہ

تبارک وتعالیٰ کے نزدیک نجات پانے والے ایسے مومن ہیں جن کا دل ایمان سے لبریز ہو۔ اس کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہوسکتا ہے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو جہل اور عبداللہ بن اُمیّہ کی موجودگی میں اس لئے اقرارِ توحید نہ کیا ہو کہ مبادا یہ لوگ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائیں،،

یعنی اپنی موت کے وقت بھی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت وصیانت اور نصرت وحمایت ہی مقصود تھی۔ اور آپ کا یہ گمان تھا کہ اگر میں ان کے سامنے گواہی نہ دوں تو یہ میرے اکرام واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے سے رُکے رہیں گے۔

اب جبکہ اُن کا ارادہ اُس وقت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت وصیانت کا فریضہ سرانجام دینے کا ہے اور یہ واضح عذر موجود ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ابو جہل وغیرہ کو یہ جواب اُن کی مدارات کے لئے اس لئے دیا تھا کہ کہیں وہ لوگ مُجھ سے متنفر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا نہ شروع کر دیں۔

تطبیق دی جاسکتی ہے

یہاں پر توحید کی گواہی دینے اور نہ دینے پر دو اقوال میں تطبیق کا

امکان موجود ہے اور وہ اس طرح کہ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کی موجودگی میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لئے گواہی نہ دی جس کی وجہ بیان ہو چکی ہے،، مگر جب وہ دونوں اُٹھ کر چلے گئے تو آپ نے کمزور آواز میں گواہی دے دی۔ جسے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کان لگا کر سُنا۔

اِس لئے کہ اِس سے پہلی حدیث میں بھی واضح طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو جہل وغیرہ سے کوئی کلام نہیں کیا بلکہ اُن کے اس قول کو بھی مطلق طور پر اُن کا آخری کلام نہیں کہا گیا کہ میں ملّتِ عبدالمطب پر ہوں۔

عقیدۂ توحید کا اقرار

اور اگر اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی ان کے عقیدۂ توحید پر دلالت کرتی ہے کیونکہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر تمام آباؤاجداد وہ الکرام کی طرح عقیدۂ توحید پر تھے ...ما کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ وغیرہ نے تحقیق فرمائی ہے اور اس کے ا[illegible]ات میں متعدد رسائل تصنیف فرمائے ہیں اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابو جہل وغیرہ کو یہ جواب دینا بظاہر انہیں خوش کرنے کے لئے تھا کیونکہ [illegible]س امر کو وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ

تعالیٰ عنہ عقیدۂ توحید پر تھے۔

رشتۂ محبت کی پاسداری

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ایسا رشتۂ محبت ہے جس کی وجہ سے ہم عنقریب اس کی پاس داری کریں گے۔

قائلین عدم نجات کا کہنا ہے کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ وہ آگ میں ڈوبے ہوئے اپنے ایمان کو ہٹاتے ہیں اور یہ حالت اس شخص کی ہوتی ہے جو کفر پر فوت ہوتا ہے۔

کافر کی قبر کا حال

امام برزنجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ حالت کفر میں مرنے والے شخص کی یہ حالت ہرگز نہیں ہوتی کہ وہ مقام ضحضاح پر ہو اور آگ اس کے تلووں کو چھوتی ہوئی ہو بلکہ وہ آگ کے انتہائی نچلے طبقے میں ہوتا ہے۔

دلیلِ شفاعت

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب ابو طالب

ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفاعت فرمانا اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مقام پر آجانا جہاں آگ کے ٹخنوں تک پہنچتی ہے ان کے کافر نہ ہونے پر زبردست دلیل ہے کیونکہ کافروں کے لئے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نہیں قبول کی جائے گی اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فرمایا ہے کہ اگر ہم نہ ہوتے تو وہ آگ کے نچلے طبقہ میں ہوتے یعنی ہم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعے ان کی ایمان کی طرف راہنمائی نہ کرتا اور یہ کفر پر فوت ہوکر آگ کے نچلے طبقہ میں ہوتے چنانچہ اس بات کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی نظیر ہے جیسا کہ آپ ایک یہودی کے بیمار بیٹے کی تیمارداری کو تشریف لے گئے اور اسلام پیش کیا تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور فوت ہو گیا اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے ذریعہ سے اس کو آگ سے نجات دی۔

اس مثال کے علاوہ اس حدیث کے معنوں میں ایک یہ لطیف معنی بھی سامنے آیا ہے کہ ایک شخص غمرات نار میں تھا نے اس کی شفاعت کی اور وہ مقام ضحضاح پر آ گیا اور اس کا غمرات نار میں ہونا اس وجہ سے تھا کہ اس نے توحید کی گواہی دینے سے انکار کیا پھر جب میں نے اس کی شفاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کی طرف رہنمائی فرما دی اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے منافی نہیں کہ ہم نے نہیں سنا کیونکہ ممکن

ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امر کی اطلاع آپ کو بعد میں دے دی ہو۔

ارشاد خداوندی اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اگرچہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بھی ہو تو بھی اس کا نزول اس امر کے منافی نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس وقت ہدایت عطا فرما دی ہو جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اظہار مایوسی فرما چکے تھے۔

اللہ ان کی بخشش فرمائے

امام ابن سعدؒ طبقات میں اور امام ابن عساکر تاریخ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے روایت نقل کرتے ہیں۔

کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد مکرم حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی تو آپ رونے لگے اور مجھے فرمایا کہ جا کر انہیں غسل دو اور ان کی تکفین وتدفین کرو اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے اور ان پر رحم کرے چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

جنازہ کے ساتھ نہ جانا

علامہ برزنجی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس لیے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کے ساتھ تشریف نہ لے گئے کہ قریش کے بے وقوفوں کی شرارت کا ڈر تھا اور نماز جنازہ اس واسطے نہ پڑھائی کہ اس وقت نماز جنازہ مشروع نہیں تھی ۔

مُصیبت کا دَور

اور بے شک سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے تو کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانا شروع کر دیا اور اس قسم کی اذیتوں کی ابتدا کر دی جو وہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں آپ کو نہیں

---

[1] ہو سکتا ہے حضرت العلام سید محمد بن رسول برزنجی رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں وہ روایت نہ جس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کے ہمراہ روتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے جا رہے تھے کہ چچا خدا تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور آپ کو جزائے خیر دے آپ نے ہمارے حق میں کبھی کوئی تقصیر نہیں کی۔ ان حوالوں کے لیے ہماری کتاب عیون المطالب فی اثبات ایمان ابی طالب'' کا مطالعہ فرمائیں۔ صائم چشتی

دے سکتے تھے۔

حتیٰ کہ سُفہا قریش ایک سفیہہ ور ذیل شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراقدس میں مٹی ڈال دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اسی حالت میں اپنے بیت الشرف میں داخل ہوئے تو آپ کے سرِ انور کو خاک آلودہ دیکھ کر آپ کی ایک بیٹی سلام اللہ اُٹھیں اور سرِ انور سے مٹی جھاڑنے لگیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صاحبزادی والدِ گرامی کا سر بھی دھو رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ روتی بھی جاتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے قرار ہوکر فرمایا نہ رو میری بیٹی اللہ تبارک وتعالیٰ تیرے باپ کی خود ہی حفاظت فرمائے گا۔

اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا!

''کہ جب تک میرے چچا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقیدِ حیات رہے ہیں مجھے قریش کی طرف سے اس قسم کا کوئی مکروہ امر نہیں پہنچا''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دینے میں قریش کا تعجیل سے کام لینا اس وجہ سے بھی تھا کہ جب ان کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو توحید ورسالت کی گواہی دینے کا ارشاد فرماتے تو وہ لوگ غصے میں بھرے ہوئے اٹھ جایا کرتے تھے۔

بہرکیف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کفار قریش نے

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے فوراً بعد ہی مصائب کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے تو آپ نے عالمِ تصور میں مخاطب کرتے ہوئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی کہ چچا جان! آپ کے فوت ہونے کے بعد کس قدر تیزی اور سُرعت سے کفار نے مجھے اذیتیں دینا شروع کر دی ہیں؟

عمک الشیخ الضال

امام بیہقی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے تو حضرت علی نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اطلاع دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وارفتۂ محبت بزرگ چچا انتقال کر گئے ہیں تو آپ نے فرمایا جا کر انہیں دفن کر دو، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ ان کی موت تو شرک پر ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جا کر انہیں دفن کر دو پھر جب میں ان کی تدفین کے بعد بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جا کر غسل کرو۔

حضرت علی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں یہ خبر لے کر آنا کہ!

"ان عمک الشیخ الضالِ قدمات"

پہلی حدیث کے مخالف ہے اور اس کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے اُن کی دنیاوی حالت مقصود ہو اور ان کی نظر اُن کے ظاہر حال پر ہو اور یا پھر یہ بات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفہیان قریش کی موجودگی میں ان کی دلجوئی کے لیے کہی ہو تو اگر ظاہر سے پہلو تہی کرتے ہوئے اس حدیث کی باطنی کیفیت اور حقیقت پر نظر کی جائے تو پھر یقیناً حدیث سابق کے منافی نہیں کیونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الواقع مومن اور رسالتِ مصطفےٰ علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والے تھے۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ ظاہری صورت اور دنیوی احکام پر نظر کی جائے تو یقیناً یہ روایات ان کے کُفر پر دلالت کرتی ہیں مگر باطنی اعتبار سے ان کے صاحبِ ایمان ہونے کے منافی نہیں۔

اور جو کچھ ان کے لیے عنداللہ ہے گزشتہ اوراق میں بیان کردہ دلائل وبراہین ان کے مومن اور مصدق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

ہم محتاج نہیں

اس کے بعد علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کے بارے میں ہمارے لیے بہر صورت مسلک اوّل کافی ہے اور ہم اس سلسلہ میں کسی دوسرے مسلک کے محتاج نہیں تاہم اپنے مسلک کو مؤکد و مؤید کرنے کے لیے ہم اب دوسرے مسلک

کے دلائل بھی پیش کر رہے ہیں اور اپنے موقف پر قرآن مجید سے استدلال پیش کرتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

یعنی پس وہ جو اُن پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُترا وہ با مراد ہوئے۔

﴿الاعراف آیت ۱۵۷﴾

اور جناب ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی ہے اور آپ کی نصرت وحمایت کی ہے جو کہ مشہور و معروف ہے اور آپ کی معیت میں رہتے ہوئے کفارِ مکہ کو سب وشتم بھی کیا اور یہ وہ واضح ترین امور ہیں جن سے سیرت نگاروں وغیرہ میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ لہذا آپ یقیناً فلاح پانے والوں میں ہوں گے۔

نہ ماننے والے کیا کہتے ہیں

علاوہ ازیں جناب ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم نجات کے قائلین کہتے ہیں کہ یہ بات تو درست ہے کہ انہوں نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت واعانت کی ہے مگر انہوں نے اس نور کی اتباع

نہیں کی جو آپ ساتھ لے کر آئے تھے یعنی اس قرآن عزیز کی پیروی نہیں کی جو توحید کی طرف دعوت دیتا ہے اور فلاح کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ تمام صفات حاصل نہ ہوں جو فلاح و بہبود پر مشتمل ہیں۔

یہ سوال قائم کرنے کے بعد علامہ محمد بن رسول برزنجی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر فلاح کا مطلب، جہنم سے رہائی حاصل کرنا ہے تو یہ ایمان پر مرتب ہوتی ہے اور محققین کے نزدیک ایمان تصدیق کا نام ہے، اور یہ چیز حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھی اور اگر اِس سے مراد فلاحِ تامہ ہے تو پھر فلاحِ تامہ کے حاصل نہ ہونے سے کفر لازم نہیں آتا۔

توحید و رسالت کی تصدیق

مگر اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خود بھی اتباع کی ہے اور دوسروں کو بھی آپ کی پیروی کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور بے شک یہ امور آپ کے جذبۂ ایمانی سے ظاہر اور نمایاں ہیں اور فرمانِ خداوندی ” آمنوا بہ واتبعوا“ پر آپ نے یقیناً عمل کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اتباع بغیر ایمان کے بھی ہو سکتی ہے مگر جب اس دوسری صورت کو سامنے رکھا جائے گا تو ایمان کو توحید و رسالت کی تصدیق پر محمول کرنا پڑے گا اور توحید و رسالت کی تصدیق حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھی۔

مشروع احکام کی تصدیق

اور اصل بات یہ ہے کہ یہاں انہی امور کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جو اس وقت مشروع تھے اور وہ یہ تھے توحید پرستی، صلہ رحمی کرنا اور بتوں کی عبادت ترک کرنا، جیسا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ یہ روایت گزر چکی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں تو آپ نے مجھے فرمایا کہ میں صلہ رحمی کرنے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنے کی تعلیم لے کر آیا ہوں۔

کیونکہ اس وقت نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، اور جہاد فرض نہیں تھے اور صرف لآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار ہی ایمان کے لیے کافی تھا۔

اور اگر توحید کا تقاضا پورا کر دینے کے لیے اس امر پر اعتبار کر لیا جائے تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِن تمام تر تقاضوں کو پورا کرنا بیان ہو چکا ہے۔

آپ نے زبان سے خدا کی وحدانیت کا اقرار حقیقتِ محمدیہ کا اظہار اور رسالتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق اپنے اشعار کے ذریعہ واضح طور پر فرما رکھی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت ارتحال پر اُن سے ایمان طلب کرنا اس لیے تھا کہ وہ وقتِ وفات بھی ایمان کے جامع ہو جائیں، حالانکہ موت کے وقت ایمان لانا کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔

بہر حال ! یہ تمام قرائن اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دِل سے مصدّق تھے اور اس وقت انہوں نے زبان سے اس لیے اقرار نہ کیا کہ کہیں لوگ اِسے موت کی گھبراہٹ سے منسوب نہ کر دیں جب کہ موت سے خوف زدہ ہونا ان لوگوں کے نزدیک عار کا موجب سمجھا جاتا تھا۔

سیادتِ ابوطالبؓ

اور بے شک حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب ونسب کے اعتبار سے سیادت و مفاخرت کا استحقاق رکھتے تھے اور اس حیثیت سے وہ ایسی انتہائی معمولی سے معمولی بات کو بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتے تھے جو اُن کی وجاہتِ سیادت کے خلاف ہو۔ تو اُن کے ہاں یہ ایک بہت بڑی بات ہے جس سے بظاہر اقرار نہ کرنے کی معذوری کا اظہار ہوتا ہے۔

مگر باطنی طور پر لوگوں کے سامنے آپ کے عدمِ اظہار اسلام کا

اصل سبب یہ ہے کہ آپ اس طرح حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیادہ سے زیادہ حمایت ونصرت اور حفاظت وصیانت کرنا چاہتے تھے۔

کیونکہ جناب ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا کہ اگر میں نے ظاہر طور پر اقرار توحید کرلیا تو کفار کو پتہ چل جائے گا کہ میں نے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کو عملاً اپنا لیا ہے تو وہ لوگ یقیناً حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیے ہوئے وعدوں کو بھی توڑ دیں گے اور آپ کی بے حُرمتی کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کو شدید اذیتوں میں مبتلا کردیں گے۔

مقصد نصرت پورا نہ ہوتا

اور بے شک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امر کے زبردست خواہشمند اور حریص تھے کہ مخلوق کے لیے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت الی الحق کا سلسلہ میری وفات کے بعد اسی طرح قائم اور باقی رہے یہی وجہ تھی کہ آپ قریش کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا احترام وتقدس باقی رکھنا چاہتے تھے۔

بہرکیف !! اگر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ توحید ورسالت کا اقرار کفار مکّہ کے سامنے ظاہر طور پر کردیتے اور کفار کو حقیقت حال کا علم ہوجاتا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی حمایت ونصرت کا وہ مقصد ہرگز پورا نہ کرسکتے تھے جو ان کا مقصود تھا۔

احتمالِ تعذیب

اِن امور کی وضاحت کے بعد علامہ محمد بن رسول برزنجی رحمۃ اللہ علیہ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ اقرارِ توحید ورسالت کے علاوہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گنہگار مومنوں کے ساتھ معذب کرنے کے دیگر بھی کئی احتمال موجود ہیں اور ممکن ہے کہ یہ گرفت اُن دو نمازوں کے نہ پڑھنے سے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع اسلام میں دو دو رکعتوں کی صورت میں ادا فرماتے تھے یا نمازِ تہجد اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان نمازوں سے اس لیے گریز کیا ہو کہ کہیں قریش کو یہ پتہ نہ چل جائے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی اختیار کرلی ہے۔

اور اگر انہیں معلوم ہوگیا تو وہ اس حمائت اور نصرت کو قبول نہیں کریں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں کرتے تھے اور نہ ہی اس حمائت کے سلسلہ میں وہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں گے تو جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس نماز کی ادائیگی سے رُکنا بھی حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمائت کے سلسلہ میں تھا۔ اس لیے یہ عذر درست ہے مگر باوجود اس کے یہ معذوری گناہ وسزا سے مبرّا اقرار

نہیں دی جاسکتی۔

کفار کو دھوکہ دینا

علاوہ ازیں ! روایات کے مطابق حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر نماز کے سلسلہ میں بظاہر دوسری باتوں سے بھی بہلانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کو نماز کے لیے کہا گیا تو کہا کہ میرے سرین اونچے نہ کرو بظاہر یہ بات عناد و تکبر پر محمول کی جاسکتی ہے جو باعثِ سزا ہو سکتی ہے۔ یا پھر وہی پہلی بات ہو سکتی ہے کہ وہ کفار قریش کو مزید دھوکہ میں رکھنا چاہتے تھے اور ان پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ انہی کے دین پر ہیں۔

علاوہ ازیں گنہگار مومنوں کے ساتھ آپ کی تعذیب کو ان حقوق العباد پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے جو بعثت مصطفےٰ علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کے ذمہ ہوں۔

ملت ابو طالبؓ

امام برزنجی رحمۃ اللہ علیہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نجات کے بیان میں ثابت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیگر بھی تمام تر آباؤ اجداد عقیدۂ توحید قائم

تھے۔

بعدازاں آپ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام اعمام میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے آباؤ اجداد کو اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہیں اور ہمارے عقلمند بزرگوں کو بے وقوف ٹھہراتے ہیں جیسا کہ دیگر قریش اس قسم کے جملے کہا کرتے تھے۔

اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے آباؤ اجداد کی برائی آپ کے چچاؤں نے سُنی ہوتی تو وہ یقیناً کہتے کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کا ذکر برائی سے نہ کیا کریں۔

دشمنی کی وجہ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ابولہب کی دشمنی ابوسفیان سے رشتۂ مصاہرت کی وجہ تھی کیونکہ ابوسفیان کی ہمشیرہ ام جمیل جسے اسلام میں قبیح اور حمالة الحطب کہا جاتا ہے ابولہب سے بیاہی ہوئی تھی اور ابولہب اسی کا ہوا خواہ تھا اور اسی کے اشاروں پر ناچتا تھا۔

دینِ آباءِ النبیؐ

پس واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ

عنہ اپنے آباؤاجدادہ الکرام کی ملّت پر تھے اور اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بُت پوجتے تو ضروری تھا کہ وہ اس سلسلہ طاہرہ میں پہلے مشرک قرار پاتے مگر کسی بھی طریق سے یہ امر پایۂ ثبوت کونہیں پہنچتا کہ اس نسب طاہرہ اور سلسلہ مبارکہ میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرک اور بت پرستی میں پہل کی ہو۔

اور اصل بات یہی ہے کہ آپ نے بت پرستی کی ہی نہیں بلکہ وہ تمام اُمور میں اپنے والد گرامی حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع کیا کرتے تھے، مکارم اخلاق، حمایت وریاست اور دیگر باتوں میں وہ کامل طور پر اپنے باپ کی پیروکار تھے حتیٰ کہ آپ نے دنیا سے جاتے وقت بھی یہی فرمایا کہ وہ ملت عبدالمطلب پر فوت ہورہے ہیں۔ اور یہ بات آپ نے اجمالی طور پر اشارۃً کفار قریش کو کہی کہ وہ ملتِ عبدالمطلب پر فوت ہورہے ہیں اور آپ کے اس کلام کو اگر صحیح صورت پر محمول کیا جائے تو وہ حدودِ شرکیہ سے نکل کر زمرۂ موحدین میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اور یہ بات آپ کو عنقریب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں دیئے جانے والے دلائل کی روشنی میں معلوم ہوجائے گی کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ توحید پرست تھے اور کفار قریش پر اس اَمر کو اس لئے واضح نہیں کیا گیا تھا کہ ان کے نزدیک ان کا احترام اور حمایت قائم رہے۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفر اور دخول نار کے متعلق جو روایات آتی ہیں وہ دنیوی احکام اور ظاہری شروع کی وجہ سے ہیں اور دخول نار توحید و رسالت کی بظاہر گواہی نہ دینے یا حقوق العباد و فرائض میں سے کسی ایک کو ترک کرنے پر بھی ہوسکتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ آگ میں یہ داخلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے اور نہ ہی ان احادیث میں ایسی کوئی نص موجود ہے کہ وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفاعت فرمائی اور انہیں مقام ضحضاح پر لے آئے اور اگر وہ کافر ہوتے تو ان کے لیے شفاعت کیسے قبول کی جاتی۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ گنہگار مومنوں کا عذاب تمام کفارِ اہلِ جہنم سے کم ہے جب کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عذاب قطعی طور پر علی الاطلاق تمام تر اہلِ نار سے کم بلکہ تمام گنہگار مومنوں سے بھی کم تر ہے۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جب گنہگار مومنوں کو جہنم سے نِکالا جائے گا تو ہوا جہنم کے دروازوں کو کھٹکھٹا کر اکھاڑ پھینکے گی اور وہاں خوشبودار گھاس پیدا ہو جائے گی، چنانچہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان لوگوں کے ساتھ نکلنے والے ہیں بلکہ آپ تو ان تمام لوگوں سے بھی پہلے آگ

سے نکل آئیں گے کیونکہ آپ تو ایسے مقام پر ہیں جہاں ان پر سب سے کم تر عذاب ہے جب کہ اس کے برعکس کافروں کو کبھی جہنم سے نہیں نکالا جائے گا۔

پس ان دلائل و براہین سے ثابت ہوا کہ اگر چہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خفیف ترین عذاب ہوگا مگر وہ اس سے نکل کر جنت میں تشریف لے جائیں گے جبکہ جنت اور دوزخ میں کوئی واسطہ نہیں۔

اگر یہ سوال کریں

یہ ٹھوس استدلال پیش کرنے کے بعد علامہ محمد بن رسول البرزنجی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہ سوال اٹھائیں کہ علمائے کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی ایک قسم کفار کے لیے بھی ثابت کی ہے اور وہ اس شفاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے مثال کے طور پر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پیش کرتے ہیں کہ اس شفاعت سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگئی ہے۔

جواب لاجواب

علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ سوال تو جب ہی اٹھایا جا سکتا ہے اگر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر ہوں۔ اب جبکہ ہم ان کے ایمان کا اثبات کر چکے ہیں اور اس پہلے

دعوے میں یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ ان کی شفاعت کبیرہ گناہوں کی وجہ ہوئی ہے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اہل کبائر میں سے ایک ہیں جن کے لئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری شفاعت اہل کبائر کے لیے ہوگی۔ علاوہ ازیں آیت کریمہ۔

"فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ"

کسی کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیتی اور نہ ہی اس کی عمومیت کا کوئی مخصص ہے اور یہ اپنی عمومیت پر قائم ہے۔

اور جن لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے ان لوگوں کے پاس سوائے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفاعت کے دوسری کوئی مثال موجود ہی نہیں جو کفار کی شفاعت کے سلسلے میں پیش کر سکیں اور اگر ان کے پاس کوئی دلیل موجود ہے تو پیش کریں ہم اس پر غور کریں گے۔

البتہ! اگر یہاں کفار سے مراد وہ لوگ ہوں جن کو ظاہری شروع کافر قرار دیتی ہے تو پھر یہ لفظی اختلاف بن جائے گا اور اگر اس کلام کو ہماری پیش کردہ تحقیق پر محمول نہیں کریں گے تو ضروری ہو جائے گا کہ آیت کریمہ

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ"

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ کر باقی تمام مشرکین کے لیے مخصوص ہے حالانکہ اس امر کا کوئی بھی قائل نہیں۔

مُشرکین کے لئے استغفار

علاوہ ازیں علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات پر بھی کُھل کر گفتگو فرمائی ہے جن کے مُتعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ آیت کریمہ!

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ" الی آخرہ.

﴿سورۃ التوبہ آیت ۱۱۳﴾

علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ میں نے اس آیت کریمہ کے اسباب نزول کے بارے میں آنے والی احادیث کی اتباع کی ہے اوران کو تین وجوہ میں منقسم پایا ہے۔

اول ۔ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

دوم ۔ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

سوم ۔ یہ آیت اہل اسلام کے ان آبا و اجداد کے حق میں نازل ہوئی ہے جو حالتِ کُفر میں مر چکے تھے اور ان کی اولاد ان کے لیے استغفار کرتی تھی۔ ان میں سے دوسری وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ آیت حضور صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں نازل ہوئی ہے تو یہ روایت انتہائی ضعیف ہے اور پہلی وجہ یعنی اس کا حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہونا تو اس میں رواۃ کا اختصار ہے۔

دُرست بات یہ ہے

اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ تیسری وجہ ہی اس آیت کا سبب نزول ہے اور اس پر جو اِستدلال کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

اس آیت کا نزول مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا میں ہوا اور یہ سُورت مدنی ہے اور جنگ تبوک کے بعد نازل ہوئی ہے جب کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات مکہ معظمہ زاداللہ اکرامہا میں ہوئی اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اس آیت کے نزول سے بارہ سال قبل ہو چکی تھی۔

علامہ برزنجیؒ مزید فرماتے ہیں کہ ہم نے اس آیت کے نزول کے سبب میں اُن کی رایات کو بھی دیکھا ہے جو صحیح طرق سے روایت کی گئی ہے اور انہیں امام احمد بن جنبل۔

امام ترمذی

ابوداؤد طیالسی

امام ابن ابی شیبہ

امام نسائی

حافظ ابویعلیٰ

امام ابن جریر

امام ابن المنذر

امام ابن ابی حاتم

امام ابوالشیخ

امام ابوعبداللہ حاکم رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور ابن مردویہؒ اور امام بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اپنے مشرک فوت ہونے والے والدین کے لئے استغفار کرتے تھے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے ہوئے سُنا تو اسے کہا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لیے استغفار نہیں کرتے تھے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ماجرا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی۔

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ" الی آخرہ۔

﴿سورۃ التوبہ آیت ۱۱۳﴾

دوشاہد

بعد ازاں علامہ برزنجی فرماتے ہیں، پس یہی روایت صحیح ہے اور ہم نے اس روایت کے بروایت صحیحہ دوشاہد بھی مہیا کر لیے ہیں جو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہیں جسے امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے فوت شدہ مشرک والدین کے لیے استغفار کیا کرتے تھے چنانچہ جب زیبِ عنوان آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو وہ لوگ مُردہ مشرکین کی مغفرت طلب کرنے سے رُک گئے تاہم انہیں زندہ لوگوں کے بارے میں استغفار سے نہیں روکا گیا حتیٰ کہ ان کی موت بھی شرک پر واقع نہ ہو جائے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی'' ماکان استغفار ابراهيم لابيه " الآئة ۔ یعنی جب تک وہ زندہ رہے اس کے لیے استغفار کرو اور جب حالتِ شرک پر مر جائے تو استغفار سے رُک جاؤ اور یہ شاہد بھی صحیح ہے اور روایت بھی صحیح تر ہے لہٰذا اسی روایت پر عمل کرنے کو ترجیح حاصل ہے بہر حال اس ارجح روایت کے مطابق آیت کریمہ کا نزول حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نہیں بلکہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتے تھے۔

مطابقت پیدا کر لیجئے

بعدازاں علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ ان روایات اور اس روایت کے درمیان جو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بتائی جاتی ہے حصولِ مطلوب کے ساتھ تطبیق بھی دی جاسکتی ہے کیونکہ جس روایت کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس میں اختصار ہے اور راوی نے آخر پر کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ میں تیرے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے روکا نہ جائے تو آیت کریمہ "ماکان للنبی والذین آمنوا "الخ۔ نازل ہوگئی لیکن راوی نے اس میں یہ نہیں کہا کہ مسلمان یہ کہتے تھے کہ چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا کے لیے استغفار کرتے ہیں لہٰذا ہم بھی اپنے مشرک آباؤاجداد کے لیے مغفرت طلب کریں گے اور پھر انہوں نے یہ کہتے ہوئے جب استغفار شروع کر دیا تو ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوگئی۔

اگر تطبیق روایات مقصود ہو تو پھر یہ کہنا ہوگا کہ چونکہ یہ جملہ حذف ہوگیا ہے اگر متذکرہ جُملے کا ذکر کر دیا جاتا تو کہا جاسکتا تھا کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب لوگوں نے اپنے مشرک آباؤاجداد کے بارے میں استغفار کرنا شروع کر دیا تھا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ روایت کے مطابق

جب حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ مخزومی کی موجودگی میں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لا الہ الا اللہ کلمہ توحید پیش کیا تو ان کے انکار پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک مجھے منع نہ کیا گیا میں ان کے لیے ضروری استغفار کرتا رہوں گا چنانچہ مسلمانوں نے خیال کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا کے لیے استغفار کرتے ہیں تو ہم بھی اپنے آباؤ اجداد کے لیے استغفار کریں گے چنانچہ جب انہوں نے استغفار شروع کیا تو یہ آیت نازل ہوگئی راوی نے اختصار کرتے ہوئے یہ جملہ حذف کر دیا ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے

یہ مناظرانہ استدلال پیش کرنے کے بعد علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امر کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے جسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور ابوشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری کے وقت حضور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو ان پر کلمہ توحید لاالہ الا اللہ، پیش کیا اور جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ چچا جان مجھے جب تک منع نہ کیا گیا میں آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا تو مسلمانوں نے کہا

کہ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا کے لیے استغفار کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے استغفار کیا ہے تو کیوں نہ ہم بھی اپنے آباؤ اجداد کے لیے مغفرت طلب کریں چنانچہ جب ان لوگوں نے اپنے مشرک آباء کے لیے استغفار شروع کیا تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

"مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ" الی آخرہ

﴿سورۃ التوبہ آیت ۱۱۳﴾

اور پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوگئی۔

مَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ" الیٰ آخر الآئۃ

روایت در روایت

امام ابن جریرؒ نے شبلیؒ کے طریق پر حضرت عمرو بن دینارؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک چچا کے لیے استغفار کیا تھا لہٰذا میں بھی اپنے چچا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہمیشہ استغفار کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میرا رب مجھے اس سے منع فرما دے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو صحابہ کرام نے کہا کہ ہم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اپنے

اقرباء کے لیے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ''ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین الا آخرہ'' نازل فرمادی۔

بات یہی رہے گی

بہر کیف! ان تمام تر روایات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آیت کریمہ ماکان للنبی الیٰ آخرہ'' کا نزول اُن مسلمانوں کے حق میں ہوا تھا جنہوں نے اپنے مشرک اقارب کے لیے استغفار کرنا شروع کر دیا تھا اور جس روایت میں یہ ذکر آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اس میں حذف واختصار سے کام لیا گیا ہے جس سے اشتباہ پیدا ہو گیا حتیٰ کہ رواۃ تک کو بھی گمان ہو گیا کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے حالانکہ یہ بات ہرگز نہیں کیونکہ یہ آیت حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل نہیں ہوئی اور اس کی تائید اس متفقہ علیہ اور متعینہ حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ یہ سورۃ پوری کی پوری مدنی ہے اور غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور اس سورت کے نزول کے مابین بارہ سال کا طویل وقفہ موجود ہے۔

ترجیح ہو سکتی ہے

بعد ازاں علامہ برزنجیؒ فرماتے ہیں کہ اب آپ اس حدیث کے ساتھ اس سے پہلی حدیث کو ملائیں اور ان شواہد کا بھی ان انضمام کریں اور ساتھ ہی اس امر کو بھی سامنے رکھیں کہ جس سورت کی یہ آیت ہے وہ بالاتفاق پوری کی پوری مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا میں نازل ہوئی ہے۔

ان تمام تر امور پر اچھی طرح غور و فکر کریں اور ان حقائق و شواہد کو لغو قرار دینے کی کوشش نہ کریں اور یہ ترجیح درست نہیں کہ اس آیت کریمہ کا شانِ نزول حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بخاری، مسلم نے بیان کیا ہے کیونکہ کبھی کبھی بخاری، مسلم کی روایات پر دوسری کتب احادیث میں آنے والی روایات کو ان امور کی وجہ سے جو ترجیح کا اقتضاء کرتے ہیں ترجیح دے دی جاتی ہے اور اصول حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

باپ سے مراد چچا ہے

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ بخاری، مسلم یا ان میں سے کسی ایک کتاب کی حدیث کو مقدم کیا جائے گا تو یہ قول مطلق نہیں اور اس بات کی تائید اِس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ سے مراد ان کا چچا ہے جیسا کہ ہم نے نجات الابوین میں اسے ثابت کر دکھایا ہے اور اہل کتاب

یعنی تورات وانجیل کے ماننے والوں کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کا نام تھا اور وہ بتوں کو خدا بناتا تھا، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی طرف سے حکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا کرتا تھا کہ۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰاِبْرَاهِیْمُ ۔

یعنی اے ابراہیم کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو۔

﴿سورۃ مریم آیت ۴۶﴾

مگر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کوئی ایک بھی ایسا قول منقول نہیں کہ انہوں نے کسی بُت کو اِلٰہ بنایا ہو یا کسی پتھر کی پوجا کی ہو یا حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت سے روکا ہو۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے توحید و رسالت کا برملا اظہار نہیں فرمایا، یا بعض واجبات کو ترک کیا ہے مگر اس کے باوجود ان کا دل حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق سے لبریز تھا چنانچہ ہمارے دین کے اقتضاء کے مطابق ایسا شخص آخرت میں یقیناً نجات پانے والا ہوتا ہے۔

پس یہ بات حکمت ومحاسن شریعت اور آئمہ متکلمین کے قواعد کے مطابق کسی بھی طریقہ سے مناسب نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا چچا آزر اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ایک ہی حال میں ہوں اور یہ امر تو خداوند قدوس جل وعلاً کی شانِ کرم سے بھی بہت بعید ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول

شاعر دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

کیا تم میں سے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کرتا ہے وہ اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش اور نصرت وحمایت کرنے والا ہے وہ دونوں ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن مبارک میں آپ کی پرورش کی اور بڑی عمر میں آپ کو پناہ دی آپ کی امداد واعانت کی اور دشمنوں سے آپ کا دفاع کیا اور آپ کی شان اقدس میں لکھے ہوئے شاندار قصائد میں آپ کی اتباع کو پسند کیا۔

دلالت نہیں کرتی

حضرت عمرو بن دینار کی منقولا بالا روایت اس اَمر پر دلالت نہیں

کرتی کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آزر مشرک تھا لہٰذا اس کے ساتھ تذکرہ آنے کی وجہ سے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مُشرک ہوں گے۔

بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا کے مشرک ہونے کے باوجود اُس کے لیے استغفار کرتے تھے تو کیوں نہ میں ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے استغفار کروں جب کہ ان کی خطا شرک سے کم تر ہے۔

نیز اس روایت میں مزید یہ ہے کہ پھر میں ان کے لیے استغفار شروع کردیا حتٰی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکمِ امتناعی آگیا اور یہ حکم بالخصوص حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استغفار سے روکنے کے لیے نہیں بلکہ مشرکین کی مغفرت طلب نہ کرنے کے متعلق ہے اور اگر یہ حکم حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے استغفار سے منع کرنے پر آیا ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ،

"ان یستغفر واللمشر کین وان یستغفر لعمہ"

مگر ایسا نہیں کہا گیا۔

صحابہ کی مشرک آباؤاجداد کیلئے دعا

اور اس کی تصریح تفسیر درمنثور کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو

امام ابن جریرؒ کے طریق پر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی گئی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے آباؤ اجداد کے لیے مغفرت طلب کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا!

خدا کی قسم میں تو اپنے باپ کے لیے ویسے ہی استغفار کروں گا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ چچا کے لیے استغفار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔

"مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ" الی آخرہ.

﴿سورۃ التوبہ آیت ۱۱۳﴾

نزول آیت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف کچھ کلمات وحی کیے گئے ہیں جو میرے کانوں کے راستے سے گزر کر میرے دل میں جاگزیں ہو گئے ہیں۔

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شرک پر مرنے والے کے لیے استغفار نہ کروں۔

فیصلہ کیا ہوا ؟

اس روایت میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضور

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے چچا کے لیے استغفار کروں گا اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اب مجھے ان کے استغفار سے روک دیا گیا ہے بلکہ آپ نے اپنے دیگر صحابہ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ شرک پر مرنے والے کی مغفرت طلب کرنے سے مجھے منع کر دیا گیا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو اس روایت میں ایک خفی اشارا موجود ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرک نہیں تھے اور حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شفاعت اس اَمر پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ان احادیث کی رو سے آپ اس شخص کی بھی شفاعت فرمائیں گے جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کمتر ایمان ہوگا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اشارہ خفیہ آپ کی آرزوئے صدق پر مبنی ہے کیونکہ آپ خلاف واقعہ بات نہیں کرتے اس لیے کہ آپ جھوٹ بولنے سے پاک اور معصوم ہیں اور کذب کا صدور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے محال تر ہے پس عام الفاظ میں آپ نے پوشیدہ طور کنایتاً ارشاد فرمادیا ہے جس میں سائل کا جواب بھی ہے اور اس کی پسندیدگی اور خوشی بھی ہے۔

میرا باپ تیرا باپ

اِنہی روایات میں سے ایک روایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے ابن ماجہ شریف میں بیان کی گئی ہے ایک اعرابی بدو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا باپ صلہ رحمی کرتا تھا اور ایسا تھا اور ایسا تھا تو اب وہ کہاں ہے؟

آپ نے فرمایا ! کہ آگ میں۔

اس بدو نے ملول خاطر ہو کر کہا کہ آپ کا باپ کہاں ہے ؟

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا ! کہ جب تو کسی کافر کی قبر کے قریب سے گزرے تو اُسے آگ کی بشارت دینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ جواب سُن کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔

وہی اعرابی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے اس زور سے اس کام پر آمادہ فرمادیا کہ میں کسی بھی کافر کی قبر کے قریب سے اس وقت تک نہیں گزرتا جب تک اُسے آگ کی بشارت نہ دے دوں۔

بہرکیف ! اس اعرابی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ جواب کہ جب تو کافر کی قبر کے قریب سے گزرے تو اُسے آگ کی بشارت سنا دینا عادت جاریہ کے مطابق ہے۔

آپ جانتے تھے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس اعرابی کو ایسا جواب دینا پسند فرمایا جو اس کی فطرت کے مطابق کیونکہ ڈر تھا کہ وہ صاف صاف جواب سے

مضطرب ہو کر فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے اور یہ ایسا جواب تھا جس میں صداقت بھی موجود تھی اور اسے واشگاف الفاظ میں یہ بھی فرمایا کہ یہ حکم تیرے باپ کے لیے ہے اور یہ ایسا مقام تھا جہاں اُس اعرابی کے مرتد ہونے کا خدشہ موجود تھا، جب کہ ان لوگوں کی جبلت ہی میں ایثار کی بجائے انکار بھرا ہوا تھا۔

حضور جانتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ عرب کی جفاؤں اور ان کی قلب تغلیظ کو جانتے تھے اس لیے یہی مناسب سمجھا کہ اس کی تالیف قلبی کے لیے مبہم جواب ارشاد فرمایا جائے تو اس لفظ پر اعتماد متعین ہے اور یہ ان سے مقدم ہے جو اس کے علاوہ روایت بالمعنٰی پر موقوف ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں تو یہ روایت منکر ہے اور علمائے اعلام نے اس کو محلِ نظر سمجھتے ہوئے اس پر کثیر کلام فرمایا ہے۔

خاص کر مواہب اللدنیہ شریف کی شرح **زرقانی علی المواہب** میں امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق بہت خوب کہا ہے کہ اس میں راویوں نے تصرف کیا ہے اور دوسری روایات میں اس کا خلاف پایا جاتا ہے۔

اور بے شک درست بات بھی یہی ہے جیسا کہ پہلی روایت میں ہے کہ جب بھی کافر کی قبر پر جاؤ اور اس میں وہ اَمر انتہائی مضبوطی کے لیے ہے جو اس عام لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہی کلمہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صادر ہوا کہ کافر کی قبر کے قریب سے گذرو تو سے آگ کی بشارت دو۔

بعض روایتوں میں جو یہ آیا ہے کہ کافر کی قبر پر جانا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد گرامی کو بھی شامل ہے اور وہ بھی کافر ہیں، تو یہ امر اس کے علاوہ ہے اور راوی کے فہم کے مطابق روایت بالمعنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اور فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دونوں آگ میں تو اس کے متعلق وہی بات ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ آزر کو ابیہ ابراہیم کہا گیا ہے حالانکہ وہ حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔

اور یہ قول بالکل درست ہے چنانچہ علامہ ابن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں کہ تمام اہلِ کتاب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ نہیں تھا اور یقیناً وہ آپ کا چچا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اہلِ عرب کے مطابق چچا کو باپ کے معنوں میں استعمال فرمایا ہے کیونکہ اہلِ عرب عام طور پر عم کو بھی ابا کہتے تھے۔

قرآن میں چچا کو باپ کہتے ہیں

اور اس پر امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے حجت قائم کی ہے کہ قرآن میں چچا کو باپ کہتے ہیں اور اِس سلسلہ میں یہ آیت پیش ہے۔

"والھک والٰہ وآبائک ابراھیم واسمٰعیل"

"یعنی تیرا اور تیری اولاد اور تیرے باپ ابراہیم اور اسماعیل کا معبود"

اس کلام میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے۔

حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

اور بے شک امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے سلف کی جماعت نے جن میں حضرت عبد اللہ ابن عباس، مجاہد ابنِ جریر اور سُدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے لوگ ہیں۔ یہی کہا ہے کہ آزر ہرگز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بلکہ وہ اُن کا چچا تھا اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدِ گرامی کا اِسمِ گرامی تارخ تھا۔ اور امام رازی کی موافقت میں آئمہ شافعیہ سے حضرت امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اِرشاد "وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ" ﴿الشعراء آیت ۲۱۹﴾ کے تحت

فرماتے ہیں جیسا کہ امام رازی نے کہا ہے کہ اس سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نورِ مُبارک کا اصلابِ طاہرہ سے ارحامِ زکیہ کی طرف پھرنا اور انتقال فرمانا ہے اور یہ وجہ انہی وجوہ میں سے ایک ہے جو اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کی جاتی ہیں اور اس سے مُراد آیت کریمہ کا حصر کر لینا نہیں بلکہ یہ وجہ اولیٰ اور مقبول ہے۔

ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف

تحقیق ابنِ سعد، بزار، طبرانی، ابو نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے زیرِ آیت!

"وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ"

﴿سورۃ الشعراء آیت ۲۱۹﴾

روایت نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف اور دوسرے سے تیسرے نبی کی طرف منتقل ہوتے رہے اور بالآخر تمھارے نبی بن کر جلوہ افروز ہوئے پس اس کی تفسیر یہی ہے کہ آپ ساجدین کی طرف منتقل ہونا اصلابِ انبیاء کرام میں انتقال فرمانا ہے اور اگر واسطوں کے ساتھ ہو اور اس آیت کریمہ کو عام پر محمول کیا جائے تو اِن واسطوں میں انبیائے کرام کے علاوہ دوسرے تمام لوگ نمازی ہیں۔

دین فطرت پر تھے

اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت کے ان لوگوں پر مشتمل ہے جو
ہر زمانہ میں نماز پڑھنے والے ہوا کرتے تھے اور نبی نہیں تھے۔

تو بے شک ابن منذر حضرت ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیر
آیت !

" رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ "

﴿سورۃ ابراہیم آیت ۴۰﴾

روایت نقل کرتے ہیں ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں جو دینِ فطرت
پر تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ زیر
آیت !

" وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ "

﴿سورۃ الزخرف آیت ۲۸﴾

روایت نقل کرتے ہیں کہ کلمہ باقیہ لا الـٰـه الا اللّٰـه ہے جو حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے بعد باقی رہا۔

اِسی آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فرماتے ہیں کہ کلمہ باقیہ لا الـٰـه الا اللّٰـه اور توحید کی گواہی دینا ہے اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لئے اس کلمہ کے باقی رہنے کی دعا کی تھی چنانچہ آپ کی ذریت میں ہمیشہ لاالہ الا اللّٰہ اور توحید کی گواہی دینے والے موجود رہے ہیں۔

ہمیشہ سات مسلمان موجود رہے

اور بے شک صحیح طریقوں سے صحیح روایت آئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کو سات مسلمانوں کے وجود سے کسی وقت بھی خالی نہیں رکھا،

جو روایت بیان کی گئی ہے یہ وہی ہے جسے امام عبدالرزاق اور ابن منذر نے بخاری مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے نقل کیا ہے کہ زمین پر ہمیشہ سات مسلمان موجود رہتے ہیں اور اگر وہ نہ ہوں تو زمین اور جو کچھ زمین میں موجود ہے تباہ و برباد ہو جائے۔

اہل زمین کے لئے امان

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کتاب الزھد میں بخاری مسلم کی شرط پر صحیح روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت نوح علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد زمین ایسے سات آدمیوں سے کبھی خالی نہیں رہی جن کے صدقہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اہلِ زمین کی بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔

تمام آباؤ اجداد اہل توحید

بخاری شریف میں امام بخاریؒ حدیثِ بعثت میں نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم قرن بعد قرن بنو آدم کے بہترین زمانوں میں ہوتے ہوئے اِس قرن میں مبعوث ہوئے ہیں۔

تو جب آپ پہلے دو زمانوں کے درمیان تھے یعنی بنو آدم کے بہترین زمانوں میں رہنا، اور بے شک زمین سات مسلمانوں سے کبھی خالی نہیں ہوئی تو ان روایات سے امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام تر آباؤ اجدادہ الکرام توحید پرست تھے، اس لیے کہ آپ کے تمام تر اجداو کرام میں سے ایک شخص ہر زمانے میں انہیں سات مسلمانوں سے ہوتا تھا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

بالاجماع باطل ہے

اور اگر اس میں مدعی کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ ان سات میں سے نہیں ہوتے تھے مگر یہ کہ وہ دینِ حنیف اور ملتِ ابراہیم پر تھے اور مدعی کا یہ دعویٰ بھی ہو کہ وہ شرک کے عقیدہ پر تھے تو اس میں ایک امر لازم ہوگا کہ اگر وہ ان ساتوں کے علاوہ تھے تو اِن سے افضل ہوں گے اور یہ باطل ہے اور یہ صحیح حدیث کے خلاف ہوگا کیونکہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

ہے کہ ہم فقرونا بنو آدم کے بہترین زمانوں سے ہوکر تشریف لائے ہیں۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ ان ساتوں سے بہتر تو تھے مگر مشرک تھے تو یہ بالا جماع باطل ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مومن غلام بھی مشرک سے بہتر ہے پس ثابت ہوا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام تر آباؤ اجدادہ الکرام عقیدۂ توحید پر تھے اور ہر زمانہ کے مسلمانوں میں بہتر ہوتے تھے۔

حضور کے والدین مومن تھے

نیز علامہ برزنجی اور علامہ سیوطی وغیرہما رحم اللہ تعالیٰ اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء وامہات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ناجی ہونے پر کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ سب کے سب عقیدۂ توحید پر تھے۔

اور بے شک کثیر احادیث میں صحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ ہم ہمیشہ پاکیزہ اصلاب سے پاکیزہ ارحام میں انتقال فرماتے رہے ہیں اور ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہم اصلاب طیبہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین کرام نے اس امر کو اللہ تبارک

وتعالیٰ کے فرمان "وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ" پر محمول کیا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ہم اصلاب طاہرہ پاکیزہ ارحام میں انتقال فرماتے رہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام باپ دادا اور تمام مائیں حضرت آدم اور جناب حوا علیہما السلام تک سب کے سب مومن تھے اور ان میں کوئی ایک بھی کافر نہیں تھا کیونکہ کافر پاکیزگی اور طہارت کی صفات سے متصف نہیں ہوتا اور اس کی طرف اشارا کرتے ہوئے قصیدہ ہمزیہ کے مصنفؒ نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ ! یارسول اللہ آپ کے لیے ضمائر الکون میں ہمیشہ پسندیدہ آباؤ امہات کو ہی منتخب کیا گیا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب اطہر سے اخراج ہونے کے بعد سے اب تک ہمیں کسی سرکش نے جنم نہیں دیا اور ہم ہمیشہ ایک بزرگ والدہ سے دوسری عالی مرتبت والدہ کی طرف آتے رہے حتیٰ کہ عرب کے افضل ترین خاندان بنو ہاشم اور بنو زہرہ میں جلوہ افروز ہوئے۔

علم الیقین کے ساتھ کہا

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملت پر ہیں تو بعض نے

اس چیز کا ذکر نہیں کیا جو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں موجود ہے کہ انہیں علم الیقین حاصل تھا اور وہ عقیدۂ توحید پر تھے اور حضرت عبدالمطلب کے ذکر میں ہے کہ آپ کامل ترین صفات کے حامل تھے اور اپنے چچا مُطلب کے بعد وہی قریش کے سردار اور رئیس مقرر ہوئے تھے اور آپ اپنی اولاد کو ظلم اور سرکشی کو ترک کرنے کا حکم فرماتے تھے اور اپنے بیٹوں کو مکارمِ اخلاق کا درس دیتے تھے اور دنیوی امور سے روکتے تھے۔

یوم الدین کا اقرار

نیز آپ کا یہ ارشاد ہے کہ دنیا سے ایسا کوئی ظالم نہیں جائے گا جسے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ظلم کا بدلہ نہیں دیں گے۔

چنانچہ جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا کہ شام میں ایک ظالم شخص ہلاک ہوگیا ہے تو آپ نے تھوڑا سا غور کرنے کے بعد فرمایا کہ خدا کی قسم اِس دنیا کے بعد ایک اور جہان ہے جہاں محسن کو اس کے احسان کی جزا دی جائے گی اور گنہگار کو اس کے گناہوں کی سزا دی جائے گی یعنی ظالم کو آخرت میں ظلم کا بدلہ مل کر ہی رہے گا۔

پس دنیا کو چھوڑ جانے کے بعد اسے بدلہ ملنا قیامت کے دن پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے اور یہی قیامت کے دن پر ایمان ہے جس کے علم کا اظہار حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال فراستِ صادقہ سے فرمادیا

اور یہ اس نورِ الٰہی کی وجہ سے تھا جو آپ کے قلبِ اطہر میں موجود تھا۔

حضرت عبدالمطلبؓ کا طریق

نیز حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصنام پرستی کو ترک کر رکھا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم کی وحدانیت کے قائل اور معترف تھے چونکہ آپ کے زمانہ میں شریعت مشروعہ موجود نہیں تھی لہذا آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیقی قدرتوں اور مصنوعات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُس کی عبادت کرتے اور صلۂ رحمی فرماتے تھے نیز آپ نے پسندیدہ امور کو اپنا رکھا تھا اور مکارمِ اخلاق سے متصف تھے۔

علاوہ ازیں آپ اکثر طور پر غارِ حرا میں خلوت گزیں ہو کر اپنی قوتِ فکریہ کو مجتمع فرماتے اور استغراقِ قلبیہ کی حالت میں اللہ تبارک وتعالیٰ جل وعلا کے اُن اوصاف وافعال پر گہری نظر سے غور وفکر کرتے جو تخلیقِ عالم پر دلالت کرتے ہیں۔

عبدالمطلب کی فراست اور سنت مصطفےٰ

نیز یہ کہ سنتِ مصطفےٰ علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کئی ایسی چیزیں موجود ہیں جن سے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ متصف تھے اور جن امور کو بجالانے کے لیے وہ لوگوں کو حکم فرمایا کرتے تھے ان میں سے

چند ایک چیزیں جنہیں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی قلبی فراست سے جاری کیا اوہ وہ سنتِ مصطفیٰ کی زینت بن گئیں یہ ہیں۔

نذر کا ایفاء کرنا۔

محرمات کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرنا۔

چور کا ہاتھ کاٹنا۔

نومولود بچوں کو قتل کرنے سے روکنا۔

شراب اور زنا کو حرام قرار دینا۔

کعبۃ اللہ کا طواف برہنہ حالت میں کرنے سے منع کرنا۔

سب سے پہلے سو اونٹوں کی دیت ادا کرنا جس کی شریعت مصطفیٰ علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تائید فرمائی اور شرع شریف میں اب بھی یہی تعداد مقرر ہے۔

نیز حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسمِ اطہر سے کستوری جیسی فرحت بار اور سُرور انگیز خوشبو بکھرتی رہتی تھی اور آپ کی جبینِ اقدس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ اقدس کی شعائیں پھوٹتی تھیں۔

مستجاب الدعوات

علاوہ ازیں جناب عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کرنے والا آپ کو شیبۃ الحمد کہتا اور آپ کی پیشانی مبارک اس طرح چمکتی تھی

جیسے رات کے اندھیرے میں چودھویں کا چاند چمک رہا ہو اور جب قریش پر قحط کی مصیبت نازل ہوتی تو وہ بارش طلب کرنے کے لیے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور جب ابرہہ اور اس کے ساتھی ہاتھیوں کو لے کر انہدام کعبہ کے لئے آئے تو جنابِ عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا سے بیتِ معظم کعبۃ اللہ شریف کے نزدیک تباہ برباد اور ہلاک ہو گئے۔

اور آپ نے اِس موقع پر یہ اشعار انشاء فرمائے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا"

الٰہی ! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے پس تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

الٰہی ! اہلِ صلیب پر غالب آنے کے لئے آج اپنے بندوں کی نصرت و امداد فرما۔

اے میرے پرور دگار ! میں تیرے گھر کے ان دشمنوں کے بارے میں تیری ذاتِ اقدس کے سوا کسی دوسرے سے کوئی امید نہیں رکھتا یارب اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

اے میرے پروردگار ! یقیناً تیرے گھر کا دشمن وہی ہوسکتا ہے جو تیرا دشمن ہے تو اِن کی دست برد سے اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

میرے اُونٹ مجھے دو

اور جب اصحابِ فیل یعنی ہاتھیوں والے آپ کے اونٹوں کو پکڑ کر لے گئے تو آپ اُن کے سردار اَبرہہ کے پاس تشریف لے گئے تاکہ آپ اس سے اپنے اُونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کریں اور پھر ابرہہ کی پیش کش پر نہایت وقار کے ساتھ اس کے قریب ہی اس کی مسند پر تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمایا کہ ہمارے اونٹ واپس کر دو۔

اَبرہہ نے کہا کہ آپ یہ سوال کر کے میری نظروں سے گر گئے ہیں کیونکہ میں اس گھر کو منہدم کرنے کے لئے آیا ہوں جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین ہے مگر آپ اسے نظر انداز کرتے ہوئے مجھ سے صرف اُونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں ؟

اللہ اپنے گھر کی حفاظت فرمالے گا

جناب عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اِن اونٹوں کا مالک میں ہوں اس لیے یہ مجھے واپس کر دو اور بیت اللہ شریف کا رب اپنے گھر کی خود حفاظت فرمائے گا۔

اور پھر آپ نے قریش کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا اے گروہِ قریش تم لوگ اِنہدامِ کعبہ کی کچھ فکر نہ کرو کیونکہ یہ میرے پروردگار کا گھر ہے اور وہی

اِس کی حفاظت فرمائے گا چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اَبرہہ کے لشکر اور ہاتھیوں پر ابابیلوں کو مسلط کردیا اور وہ سب کے سب ہلاک ہوکر رہ گئے۔

نیز یہ کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اونٹوں کا بہت بھاری گلّہ تھا، آپ ان سب کو حج کے دنوں میں جمع کر لیتے اور زمزم کے قریب ایک حوض میں اونٹنیوں کے دودھ اور شہد کا ذخیرہ کر لیتے اور پھر ان میں چھوہارے خرید کر ڈال دیتے اور ان سب اشیاء میں آبِ زمزم مِلا کر شربت تیار کرتے اور یہ شربت حاجیوں کو پلایا کرتے اور پھر جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ہوگیا تو اُن کے بعد حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قسم کا شربت حجاج کو پلایا کرتے تھے پھر انہوں نے یہ منصب عالیہ حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سپرد کردیا۔

حضرت عبدالمطلبؓ کا اظہار بندگی

نیز حضرت عبدالمطلب کے کلام میں ہے !

یارب تو مالک ومحمود ہے اور تو میرا پروردگار اور مالک ومعبود ہے اور تیرے ہاں ہر قدیم وجدید چیز موجود ہے۔

نیز حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بچپن مبارکہ کے زمانہ میں ہی آپ کا نہایت درجہ اکرام واحترام کیا

کرتے تھے۔

اور آپ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ !

میرا یہ بیٹا عظیم الشان اور بزرگی کا مالک ہے اور آپ نے عرب کے کاہنوں اور راہبوں سے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس کے متعلق آپ کی ولادت سے قبل بھی بہت کچھ سن رکھا تھا اور آپ کے ظہورِ قدسیہ کے بعد بھی بہت کچھ معلومات فراہم کر چکے تھے۔

حضور کے ساتھ محبت و شفقت

اور یہ کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے صاحبِ عظمت سردار تھے اور آپ کے لیے بیت اللہ شریف کے احاطہ میں مسند بچھائی جاتی تھی جس کے گرد اگرد تمام روسائے قریش بیٹھ جاتے مگر کسی شخص میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ آپ کی مسندِ عالیہ پر بیٹھنے کی جرأت کرتا۔

بایں ہمہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مجلس میں اپنے زمانہ طفولیت کے دوران تشریف لاتے تو لوگوں کی مزاحمت کے باوجود آپ اس مسندِ مبارکہ پر اپنے جدِ امجد سیدنا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں تشریف فرما ہو جاتے اور جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی چچا آپ کو اس مسند پر بیٹھنے سے روکنے کی کوشش کرتا تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ڈانٹ دیتے اور فرماتے کہ میرے بیٹے

کو بلاؤ وہ اسی شان کے مالک ہیں پھر آپ کو نہایت اکرام کے ساتھ اپنی آغوش مبارک میں بٹھا لیتے اور آپ کی پشت انور پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے رہتے۔

حضور کی کفالت کی وصیت

اور جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ہوا تو اس وقت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال تھی اس موقع پر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کفالت و پرورش کی وصیت فرمائی۔

کیونکہ جنابِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدِ معظم سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے بھائی تھے اور اِن دونوں کی والدہ معظّمہ سیدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخزوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں۔

حضرت عبدالمطلب کی بصیرت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ

فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے پتھر تراش کر تخت بنایا گیا تھا جس پر سوائے آپ کے کوئی دوسرا شخص نہیں بیٹھ سکتا تھا "

اور حرب ابن امیہ قریش میں دوسرا بڑا سردار تھا جس کے لیے اس مجلس میں ایک دوسرا فرش لگایا جاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچپن مبارک کے زمانہ میں ایک دفعہ وہاں تشریف لائے اور اپنے جد امجد کے فرش پر تشریف فرما ہونے لگے تو ایک شخص نے آپ کو وہاں پر نہ بیٹھنے دیا اس پر آپ رونے لگے تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو دیکھ لیا اور پوچھا اے میرے بیٹے آپ کیوں روتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے اس فرش پر بیٹھنا چاہتا تھا مگر اس شخص نے مجھے روک دیا ہے جناب عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے بیٹے کو بلاؤ کہ وہ اس پر بیٹھیں میں اپنے دل میں ان کی بزرگی اور شرف کو محسوس کر رہا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ اِن کو ایسا عظیم شرف حاصل ہوگا جو کسی عرب کو نہ اِن سے پہلے ملا ہے اور نہ ہی آئندہ نصیب ہوگا۔

چنانچہ اس روز کے بعد حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس فرش پر تشریف فرما ہونے سے روکنے کے لیے کسی نے کبھی جرأت نہیں کی خواہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں پر موجود ہوں خواہ نہ موجود

ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کے میرے بیٹے کو بلاؤ وہ انسانوں کے بادشاہ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اُن کے لیے ملکِ عظیم کی بادشاہت دیکھ رہا ہوں۔

غارحرامیں چلہ کشی

بایں ہمہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش میں بہت بڑے عالم، دانا، اور مستجاب الدعوات تھے آپ نے اپنی ذات پر شراب کو حرام قرار دے رکھا تھا اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جو لوگوں سے الگ ہو کر غارِ حرا میں چلہ کشی فرماتے اور مخصوص راتوں کو عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور جب رمضان شریف کا مہینہ آتا تو آپ پہاڑ پر تشریف لے جاتے اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے۔

یہی نہیں بلکہ آپ اکثر طور پر لوگوں سے تخلیہ کرتے ہوئے پہاڑوں پر تشریف لے جاتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کے عظمت وجلال کے متعلق غور وفکر فرمایا کرتے نیز آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحوش وطیور کے لئے کھانا بکھیر دیتے اور لوگ آپ کے متعلق کہا کرتے کہ عبد المطلب تو پرندوں کے میزبان ہیں اور یہ بھی کہتے کہ آپ بہت بڑے فیاض ہیں۔

شیبۃ الحمد

علاوہ ازیں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادتِ مبارکہ ہوئی تو آپ کے سرِ انور پر ایک جگہ تھوڑے سے بال سفید تھے جن کی وجہ سے آپ کا اسم مبارک شیبۃ الحمد رکھا گیا اور امید کی گئی کہ آپ شیخِ اکبر ہوں گے اور لوگ آپ کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کریں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اس امر کو محقق فرما دیا اور لوگ آپ کی بے حد تعریف کرتے۔

آپ قریش کے مشکل اُمور کو اُن سے رفع فرمایا کرتے تھے اور اُن کے کاموں میں اُن کے ملجا و ماویٰ تھے اور اُن میں اپنے افعال و کمالات کی بدولت معزز سردار کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ نے ایک سو چالیس برس کی عمر مبارک پائی اور آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے چاہِ زمزم کو تلاش کیا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد مرورِ زمانہ کی وجہ پوشیدہ ہو چکا تھا آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خواب میں مقامِ زمزم کی نشان دہی فرمائی تھی اور اس کے متعلق طویل واقعہ کتب سیر میں مذکور ہے۔

قیامت میں بھی معزز ہوں گے

نیز سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ میرے جدِ امجد حضرت عبدالمطلبؓ کو قیامت کے دن بادشاہوں اور اہلِ شرف لوگوں میں سے اُٹھایا جائے گا ''

اور امام برزنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انبیاء کرام علیہم السلام کا نور اور بادشاہوں کا جمال عطا کیا جائے گا اور آپ اُمتِ واحدہ یعنی عقیدۂ توحید پر اُٹھائے جائیں گے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے اور ان کی مثال زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل کی طرح ہے کہ وہ ایک اُمت میں اُٹھیں گے اور ایک اُمت میں اُٹھنے لی روایت کا اِس سے بُعد نہیں کہ آپ کو انبیاء کا نور عطا کیا جائے گا کیونکہ یہ مستقل ہے اور اس امر کے تابع نہیں ولیکن یہ کہ آپ کو جمال بادشاہی عطا کیا گیا تو آپ اپنے زمانے میں تمام قریش کے سردار تھے اور وہ زمانہ اُن بادشاہوں کا قریبی زمانہ تھا جو عدل و انصاف کیا کرتے تھے اور ظلم نہیں کرتے تھے۔

اور یہ امر اس روایت پر شاہد عدل ہے جسے امام بیہقی اور حافظ ابونعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت کعب بن احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ توراۃ شریف میں حضور سرورِ انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے اوصاف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن انہیں انبیاء کا نور عطا کیا

جائے گا۔

عقیدۂ توحید رکھتے تھے

اور بالجملہ علمائے کرام نے حضرت عبد المطلب کے علم کے تذکرہ میں جس بات کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو علمِ یقین کی دولت حاصل تھی اور آپ عقیدۂ توحید پر تھے اور ایسے ہی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آبائہم الکرام تا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہم السلام عقیدۂ توحید پر تھے "

ان تمام امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان کہ وہ ملّتِ عبد المطلب پر ہیں ان کے مکارمِ اخلاق اور عقیدۂ توحید پر ہونے کی طرف اشارا کرتا ہے اور اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صادر ہونے والے دیگر اُن تمام اشارات میں سے ایک بھی نہ ہوتا جو اُن کی توحید پرستی پر دلالت کرتے ہیں اور آپ کا صرف یہی ایک قول ہوتا کہ وہ ملتِ عبد المطلب پر ہیں تو اُن کے صاحبِ ایمان اور اہلِ توحید ہونے پر یہی ایک دلیل کافی ہے۔

نجات ابوطالب کا مسلک

پس یہ دانائی اور حکمت والے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوبی ہے اور یہ مسلک وہ ہے جو علامہ سید محمد بن رسول برزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاتِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پیش فرمایا ہے اور اِس مسئلہ کو اس طریقہ سے بیان کرنے میں کسی کو بھی آپ پر سبقت حاصل نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کی بہت بڑی جزا عطا فرمائے۔

اور آپ کا مسلک وہ مسلک ہے جسے تمام وہ اہلِ ایمان جو اِنصاف کی صِفت سے متصف ہیں یقیناً پسند فرمائیں گے اور اس پر خوشی کا اظہار کریں گے اس لئے کہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی نص کا ابطال کرے یا اسے ضعیف کرتی ہو اور اس میں جو کچھ بتایا گیا ہے اس کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ روایات کو اُن مستحسن معنوں پر محمول کیا جائے جو اشکال کو دُور کرنے میں مدد دیں اور لڑائی جھگڑے کو ختم کرنے کا باعث ہوں۔

حضور کی رضا اس مسلک میں ہے

اور یہ وہ مسلک ہے جو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ہے اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص کرنے یا اُن کے ساتھ بغض رکھنے سے بچاتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھنا یا اُن کی تنقیص کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایذا دینے کے مترادف ہے۔ جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

ارشاد ہے کہ وہ لوگ جو اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔ اور اُن کے لئے سخت ترین عذاب کی وعید ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ و رسول کو ایذاء دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے"

بغض کفر ہے

اور امام احمد بن حسین موصلی حنفی المعروف ابن وستی رحمۃ اللہ علیہ، محمد ابن سلامہ القضاعی متوفی ۴۵۴ھ کی کتاب "شہاب الاخبار" کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھنا کفر ہے اور اس پر نص موجود ہے۔

علاوہ ازیں آئمہ مالکیہ میں سے حضرت علامہ علی الاجہوری رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ میں اور امام تلمسانی رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف کے حاشیہ فرماتے ہیں کہ جب تم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہو تو صرف یہ کہو کہ وہ قول و فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامی اور ناصر تھے اور سوائے حمایت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن کا ذِکر ہرگز ایسے انداز سے نہ کرو جو باعثِ کراہت ہو کیونکہ آپ کا تذکرہ کردہ الفاظ سے کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے کا باعث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے والا یقیناً کافر ہے اور کافر بھی ایسا جو

واجب القتل ہے۔

ایذائے رسول کا باعث

نیز حضرت ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھتا ہے وہ کافر ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ بغض ابی طالب ایذاء رسول کا باعث ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دینا کفر ہے اور اس فعل کا مرتکب اگر توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور آئمہ مالکیہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء دینے والا اگر توبہ بھی کرلے تو پھر بھی واجب القتل ہے۔

حضور کی غضبناکی

امام طبرانی اور امام بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ روایت نقل کرتے ہیں کہ ابولہب کی ایک بیٹی جس کا نام سبعیہ تھا اور بعض نے اس کا نام دُرّہ بتایا ہے مسلمان ہوگئی اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا واکرامہا میں آئی تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ تمہیں ہجرت کرنے سے کیا فائدہ پہنچے گا جب کہ تم جہنم کے ایندھن کی بیٹی ہو۔

لوگوں کے اس جملہ سے جناب سبعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سخت تکلیف ہوئی لہٰذا انہوں نے یہ سب واقعہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی خدمت میں من وعن پیش کر دیا۔

حضور رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سُنا تو سخت غضبناک ہو گئے اور پھر آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ہمیں ہمارے نسب اور خونی رشتہ کی وجہ سے ایذاء دیتے ہیں یاد رکھو جو شخص ہمارے حسب نسب اور خونی رشتہ والوں کا ایذاء دیتا ہے وہ ہمیں ایذاء دیتے ہے اور جو ہمیں ایذاء دیتا ہے۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ایذاء دیتا ہے۔

ایک بال مبارک کو اذیت دینا

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمارے ایک بال مبارک کو بھی اذیت دی تو بے شک اس نے ہمیں اذیت دی اور جس نے ہمیں اذیت دی اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ایذاء پہنچائی۔

پس جو شخص حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھتا ہے اور آپ کی شان میں گستاخانہ کلام کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایذاء دیتا ہے اور جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ طاہرہ کو بھی ایذاء دیتا ہے جو ہر زمانہ میں موجود ہوتی ہے۔

اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ فوت شدگان کو برائی سے یاد کر کے زندوں کو اذیت نہ دو اور یہ وہ امور ہیں جو اس تحقیق مبارکہ کی تائید کرتے ہیں۔

نجات ابی طالب کے قائلین

جیسے سید محمد بن رسول البرزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کے اثبات میں ان کثیر علمائے محققین اور اربابِ کشف اولیائے عارفین کی عبارات سے محقق فرمایا ہے جو نجاتِ ابی طالب کے قائل ہیں۔

ان لوگوں میں امام قرطبی امام سبکی امام شعرانی کے علاوہ دیگر بے شمار مخلوق ہے جن کا کہنا ہے کہ ہم نجاتِ ابی طالب کے عقیدہ پر اور اللہ تعالیٰ کے اسی دین پر ہیں اگر چہ ان کے نزدیک اثبات نجات ابی طالب کا وہ طریقہ نہیں جسے امام محمد بن رسول البرزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے تاہم آپ نجاتِ ابی طالب کے سلسلہ میں ان بزرگوں کے ساتھ پورے طور پر متفق ہیں متذکرہ آئمہ کرام کے نزدیک حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عند اللہ مومن اور مسلمان ہونا ثابت ہے جب کہ حضرت علامہ محمد بن رسول البرزنجی علیہ الرحمۃ نے ان کے بیان کردہ دلائل و براہین کو قائم رکھتے ہوئے اپنے مسلک کا اثبات کیا ہے۔

وراثت فرض نہیں

اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم نجات کے قائلین جو یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اختلافِ دین کی وجہ سے حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وراثت سے حصہ نہیں لیا تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ برزنجی علیہ الرحمۃ نے متعدد وجوہ بیان کی ہیں۔

جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے وقت وراثت فرض نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ معاملہ وصیت سے طے ہوتا تھا جب کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ زیادتِ محبت کی وجہ سے وصیت میں فرمایا کہ میرے مال کا وارث عقیل ہوگا لہذا اس امر کا احتمال ہے کہ حضرت عقیل نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کا وہ مال لیا جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اس احتمال کے پیشِ نظر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عقیل کا یہ معاملہ ان کے کفر پر محمول نہیں ہوگا بلکہ دنیوی رواج کے مطابق قرار پائے گا۔

یہ قول باطل ہے

نیز عدم نجات ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قائل جو یہ کہتے ہیں
کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی
ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ
اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ

یعنی محبوب بے شک ہم نے آپ کو حق کے
ساتھ خوشخبری دینے والے اور انداز کرنے والے
بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے اصحابِ جحیم کے بارے
میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

﴿سورۃ البقرہ آیت ۱۱۹﴾

تو اس آیت کریمہ کو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں
ثابت کرنے کے بارے میں جو قول بیان کیا جاتا ہے وہ انتہائی کمزور ہے اور
اس قول کی وہی حیثیت ہے جو اس آیت کریمہ کو حضور رسالتمآب صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین کے حق میں یہ ثابت کرنے کے لیے بیان
کیا جاتا ہے حالانکہ یہ قول ان ہر دو صورتوں میں ضعیف بلکہ باطل ہے۔

اور اس کی کوئی اصل موجود نہیں کیونکہ یہ آیت مقدسہ یہودیوں کے

حق میں نازل ہوئی ہے چنانچہ ابو حیان اپنی تفسیر البحر میں زیرِ آیت فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ کے تمام سابقے لاحقے اس امر پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ تمام آیات بیّنات یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں اور اس کے برعکس قول کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآنی آیات کی تنظیم کو بھی کفائت کرتا ہو جیسا کہ ہمارے آقا ابو سعود نے اپنی تفسیر میں اس کے متعلق ذکر کیا ہے۔

نجات ابوطالب اور احادیث

اور بے شک علامہ برزنجی نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کے بارے میں کثیر احادیث موجود ہیں'' اگرچہ ان میں ضعیف احادیث کی کثرت ہے۔ لیکن اس کثرت نے بھی انہیں مضبوط کر دیا ہے، اور ایک حدیث دوسری کی تقویت کا باعث بنی ہے اور یقیناً ان میں اکثر احادیث ایسی بھی موجود ہیں جو صحت کے درجہ کو پہنچتی ہیں، اور اُن میں کوئی ضعف موجود نہیں۔

حضرت علی کی روایت

اور ان صحیح احادیث میں سے ایک یہ ہے جسے علامہ ابنِ سعد نے طبقات ابنِ سعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے نقل کیا ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب میرے والد گرامی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ہو گیا تو میں نے یہ جانکاہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں پیش کی،

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''شفیق چچا'' کی موت کی خبر سُن کر رونے لگے اور مجھے فرمایا، علی ! جاؤ اور جا کر پہلے انہیں غسل دو اور پھر اُن کے کفن دفن کا انتظام کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن پر رحم کرے''

مضبوط ترین شہادت

اور سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ اس حدیث کو دوسرے لوگوں میں سے ابوداؤد ، نسائی ، ابن جارود اور خزیمہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ! جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی موت کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے لگے۔ اور پھر مجھے اِرشاد فرمایا، کہ علی جا کر انھیں غسل دو اور تکفین وتدفین کا انتظام کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی مغفرت کرے اور اُن پر رحم فرمائے۔

اِس کے بعد علامہ برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا اِس مسلکِ اوّل پر مکمل طور پر اعتماد ہے۔ اور یہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی نجات کے بارے میں بہر طور مضبوط ترین شواہد پر مشتمل ہے اور اس کے لئے مزید کسی دوسری دلیل کی ہرگز ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

تاہم اسے مزید تقویت دینے کے لئے اور اپنے دعوے کو اور زیادہ مستحکم کرنے کے لئے احادیث شفاعت میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اختیاراتِ مصطفٰے

پہلی حدیث :۔

امام احمد، امام طبرانی اور علامہ بزار رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امر میں اختیار عطا فرمادیا کہ اگر میں چاہوں تو اپنی نصف امت کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کروں اور اگر چاہوں تو تمام امت میں سے جس کی چاہوں شفاعت کروں چنانچہ ان دونوں باتوں سے میں نے اپنی امت کے لئے شفاعت کو پسند کیا کیونکہ مجھے علم ہے کہ اس امر شفاعت میں میری امت کی بخشش کے لئے زیادہ وسعت ہے اور میری یہ شفاعت میرے ہر اس اُمتی کے لئے ہے جس نے شرک نہ کیا ہو۔

دوسری حدیث :۔

امام احمد ابن ابی شیبہ اور امام طبرانی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے شفاعت کرنا پسند کیا اور میری یہ شفاعت میرے ہر اس امتی کے لئے ہے جو مشرک نہ ہو۔

تیسری حدیث :۔

علامہ ابویعلیٰ اور حافظ ابی نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ان زائد الفاظ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری یہ شفاعت انشاء اللہ العزیز میرے ہر اُس امتی کو پہنچے گی جس نے شرک نہ کیا ہو۔

چوتھی حدیث :۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں سوال کر رکھا ہے کہ یا اللہ قیامت کے دن میرا کوئی ایسا مواحد امتی نہ ملے جو جنت میں نہ جائے۔

آپ کو مایوس نہیں کیا جائے گا

پانچویں حدیث

امام مسلم حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول تلاوت فرمایا کہ انہوں نے امت کے متعلق بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ یا اللہ ان لوگوں میں سے جو میری پیروی کرتے ہیں تو وہ میرے ہیں اور جو میری نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے تو غفور رحیم ہے۔

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم

اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول تلاوت فرمایا کہ انہوں نے اپنی اُمت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ یا اللہ اگر تو ان کو معذب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو بزرگ اور حکمت والا ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم .

﴿سورۃ المائدہ آیت ۱۱۸﴾

پھر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ مبارک اٹھا دیئے اور فرمایا امتی امتی پھر آپ رونے لگے تو اللہ تبارک

وتعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو ارشاد فرمایا ! کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کی اُمت کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو آپ کی خوشی کا باعث ہوگا اور آپ کو مایوس نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ محبوب کو خوش کرے گا

چھٹی حدیث :۔

علامہ بزار اور امام طبرانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا تو مجھے میرا پروردگار آواز دے گا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ خوش ہو گئے ؟ تو میں عرض کروں گا اے میرے پروردگار میں خوش ہوں۔

حضور کی شفاعت کسی مشرک کیلئے نہیں

۔ امام طبرانی معجم لاوسط میں حسن سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے لئے شفاعت کو پسند کیا اور یہ انشاء اللہ العزیز میرے ہر اس امتی کو پہنچنے والی ہے جو بغیر شرک کرنے کے

فوت ہوا۔

امام برزنجی یہ روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان احادیث پر غور کرو کیونکہ یہ تمام تر اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کسی مشرک کو نصیب نہیں ہوگی۔

جب کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت صحیح حدیث کی نص سے ثابت ہے۔

اور قطعی طور پر یہ جان لینا چاہیے کہ بے شک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بھی مصدق ہیں اور آپ کے دین کی بھی تصدیق فرمانے والے ہیں اور ظاہر کے لئے یہی دلیل کافی ہے تو اس سے آپ کی نجات کا قول لازم ہوا اور اس امر میں اور ان احادیث میں جن میں اُن کے کفر اور دخولِ نار کا ذکر ہے کوئی منافات نہیں۔

اور وہ احادیث جو اُن کے کفر پر بیان کی جاتی ہیں ان کی نسبت احکام دنیویہ سے ظاہر شروع کو دیکھتے ہوئے ہے اور دخولِ نار فرائض دینیہ سے کسی فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

مگر یہ چیز ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہنے کو مستلزم نہیں اور نہ ہی اس میں تیرے لئے کوئی ایسی نص ہے جس سے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا ثابت کیا جاسکے جب کہ " نھی عن

فوت ہوا۔

امام برزنجی یہ روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان احادیث پر غور کرو کیونکہ یہ تمام تر اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کسی مشرک کو نصیب نہیں ہوگی۔

جب کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت صحیح حدیث کی نص سے ثابت ہے۔

اور قطعی طور پر یہ جان لینا چاہیے کہ بے شک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بھی مصدق ہیں اور آپ کے دین کی بھی تصدیق فرمانے والے ہیں اور ظاہر کے لئے یہی دلیل کافی ہے تو اس سے آپ کی نجات کا قول لازم ہوا اور اس امر میں اور ان احادیث میں جن میں اُن کے کفر اور دخولِ نار کا ذکر ہے کوئی منافات نہیں۔

اور وہ احادیث جو اُن کے کفر پر بیان کی جاتی ہیں ان کی نسبت احکام دنیویہ سے ظاہر شروع کو دیکھتے ہوئے ہے اور دخولِ نار فرائض دینیہ سے کسی فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

مگر یہ چیز ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہنے کو مستلزم نہیں اور نہ ہی اس میں تیرے لئے کوئی ایسی نص ہے جس سے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا ثابت کیا جاسکے جب کہ " نهى عن

الاستغفار" کا سبب بھی بحمد اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔

اللہ نے ہدایت دی

اور اس سے قبل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بیان کیا جاتا ہے کہ !

" اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء "

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہے تو یہ آیت کریمہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے منافی نہیں کیونکہ اس میں تو ان کے ایمان کی دلیل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدائت نہیں دی بلکہ ان کو میں نے ہدائت دی ہے۔

ہر بھلائی کی امید

اور اس سے پہلے آنے والی یہ روایت کہ جب حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس چیز کی گواہی دے دی جس کے متعلق آپ نے انہیں ارشاد فرمایا تھا اور حضور نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے نہیں سنا تو بے شک اس میں آپ

نے ان کے ظاہر حال پر نظر رکھتے ہوئے فرمایا ہے اور یہ اس امر کو منع نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ایمان دار ہونے کی اطلاع دے دی تھی یہی وجہ ہے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں اپنے پروردگار سے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہر بھلائی اور خیر کی امید ہے۔

اور بے شک صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباس ابن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خیر کی امید رکھتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنے رب سے اُن کے لئے ہر قسم کی بھلائی اور خیر کی امید رکھتا ہوں۔

زیادہ خیر کی بات نہیں

اس حدیث مبارکہ کو امام ابن سعد نے طبقات ابن سعد میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پُر امید ہونا محقق ہے اور ہر قسم کی خیر اور بھلائی کی امید سوائے مومن کے کسی دوسرے کے لئے نہیں ہوسکتی اور نہ ہی مومن کے سوا اس سے مراد لینا جائز ہے اور یہ کہنا کہ انہیں تخفیفِ عذاب حاصل ہوگئی ہے مقصدِ حدیث کو پورا نہیں کرتا کیونکہ اس میں زیادہ خیر نہیں

ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہمیں ان کے لئے اپنے پروردگار سے تمام تر خیر کی امید ہے۔

اور تخفیفِ عذاب کا مطلب تو تخفیفِ شر ہے اور شر ایک دوسرے سے کم بھی ہوتا ہے اور تمام خیر کا حصول تو اس امر کا مقتضی ہے کہ جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں جائیں۔

مسئلہ مبہم رکھنے کی وجہ

چنانچہ بعض عارفوں نے بیان کیا ہے کہ اہل کشف حضرات کے نزدیک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان ثابت ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و اشتباہ نہیں ہوسکتا ہے کہ شرع ظاہر کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنتی ہونے کے مسئلہ کو مبہم رکھا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان صحابہ کرام کی تالیف قلبی کا سامان ہو جائے جن کے والدین کافر تھے۔

کیونکہ اگر ان پر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان دار ہونے کی صراحت ہو جاتی اور وہ ظاہر طور پر جانتے ہوتے کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو ان کے دلوں میں نفرت اور ان کے سینوں میں کینے کا آ جانا ناگزیر تھا اور وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ جب ان کے اور ہمارے والدین کے درمیان کوئی فرق نہیں تو ان کی نجات کیسے ہوگئی اور ہمارے آباؤ اجداد کو کیوں

معذّب کیا جائے گا اور یہ چیز ان میں سے طبائع بشریہ کے اقتضاء کے مطابق ہوتی ہے اور وہ ایثار کی بجائے نفرت کا شکار ہو جاتے۔ جیسا کہ یہ مثال پہلے اس وقت ظہور پذیر ہو چکی تھی جب حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا تھا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا آگ میں۔

اللہ کے حکم کو تسلیم کریں

نیز یہ کہ اگر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایمان کو ظاہر فرما دیتے تو ان کا وہ مقصد فوت ہو جاتا جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمائت و نصرت کرنے کے سلسلہ میں حاصل کرنا چاہتے تھے پھر اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے شمار ایسے پوشیدہ امور موجود ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کریں اور اس کے حکم کی اتباع کریں۔

توفیق ادب طلب کرو

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا یہی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت عظام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاملہ میں احترام و ادب کا مظاہرہ کریں اور ان کے ساتھ حسنِ ظن اور نیک گمان رکھیں کیوں کہ اُن میں کسی ایک کی بُرائی کا بھی تم سے مطالبہ نہیں کیا

جائے گا اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے توفیقِ ادب طلب کیا کرو۔

بعد ازاں علامہ دحلان مکیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تحریر علامہ محمد بن رسول برزنجی کی اس عبارت کا خلاصہ ہے جو انہوں نے نجات ابوین کے ذیل میں درج فرما رکھی ہے۔

اور میں نے اس میں مواہب الدنیہ سیرت جلیہ اور دیگر قابل اعتماد کتابوں کی وہ عبارات بھی شامل کر دی ہیں جو اس مسئلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

علامہ برزنجی شہر محبوب میں

حضرت علامہ برزنجیؒ اپنے رسالہ کے آخر پر فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس رسالہ کے مسودہ کو مکمل کیا تو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے حُرمت والے مہینوں میں ذیعقد مبارک کی ابتداء ہو چکی تھی اور ہجرت کا سن مبارک ۱۰۸۸ھ تھا اور میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے رسولِ افضل الصلوٰۃ والسلام کی اسلام کے مقدس شہر مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا واکرامہا کے باب بالزقاق المشہور بزقاق البدور میں سکونت پذیر تھا اور یہ دروازہ شہر پناہ میں داخل ہے۔

مسودہ بارگاہِ رسالت میں

بہر کیف مسودہ مکمل ہو گیا تو میں حرمِ نبوی شریف کے خدام میں

سے ایک نہائت ہی ذاکر وشاغل بزرگ جو اکثر اوراد و وظائف میں مصروف رہتے تھے اور بڑی عظیم شان کے مالک تھے کی خدمت میں مسودہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ اسے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ اقدس کے ان پردوں کے نیچے رکھ دیں جو آپ کے مزار اقدس کو ڈھانپے ہوئے ہیں اگر حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں قبولیت حاصل ہوگئی تو پھر اس مسوّدہ کو خوشخط کر کے لکھوں گا اور اگر آپ نے منظور نہ فرمایا تو پھر اس کو تلف کر دوں گا۔

بشارت اور سند مقبولیت

چنانچہ وہ بزرگ کتاب ہذا کے مسوّدے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لے گئے اور آپ کی قبر اطہر کے پردوں کے نیچے رکھ دیا اور پھر جب میں دو روز کے بعد حاضر ہوا تو حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس کی مقبولیت کی بشارت دی گئی اور سندِ مقبولیت عطا فرمائی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تمام فروع میں امداد فرمائی پس اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس عنایت پر شکر گزار ہوں کیونکہ یہ مسوّدہ مالک الملک کی امداد واستعانت سے تکمیل پذیر ہوا ہے۔

میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس انعام والہام پر بے حد شکر ادا کرتا ہوں اور اس کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس کی امداد واستعانت سے ہی اس کا آغاز

واختتام ہوا۔

حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ حمداً یوافی نعمہ ویکافی مزیدہ کما ینبغی لجلال وجھہ وعظمتہ سلطانہ.

اس ذات پاک کی زیادہ سے زیادہ حمد واجب ہے، اس کے وعدہ کے حصول کے لئے، کیونکہ قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تُم میرا جتنا زیادہ شکر کرو گے میں اتنا ہی تُمہیں نوازوں گا۔

اور اکمل الصلوٰۃ والتسلیم اُس نبیء اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قرآن حکیم کے ساتھ مبعوث ہوئے، اور صاحبِ خُلقِ عظیم ہیں اور اُنکی نعت میں ہے کہ وہ مومنوں پر کمال مہربانی فرمانے والے ہیں صلوٰۃ وسلام ہو آپ پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر اور آپ کے آباؤ اجداد پر اور آپ کی اُمّہات پر اور آپ کی ازواج پر اور آپ کی اولاد پر اور آپ کے علوم کے وارثوں پر اور آپ کے غلاموں پر، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے ہماری اور ہمارے والدین کی اور ہمارے قلبی اور صلبی اور دینی بھائیوں اور تمام مسلمان مردوں کی اور تمام مسلمان عورتوں کی"

اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں کو اُن کے لئے غلو سے محفوظ رکھ جو ایمان لائے "

اے ہمارے ربّ تو مہربانی فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَ اٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ "

﴿سورۃ یونس آیت ۱۰﴾

یہ سب کچھ حضرت علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ مبارکہ نجات الابوین کے آخر پر ہے، جس کے تتمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کا اثبات کیا گیا ہے۔

مولّف رسالہ ہٰذا "اسنٰی المطالب فی نجاتِ ابی طالب" علامہ دحلان مکی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس رسالہ کی تسوید و تکمیل سے ۱۸ شعبان المعظم ۱۳۰۳ھ کو ہفتہ کے دن فارغ ہوا۔

برزنجی کون تھے؟

مُفتی مکہ مشرفہ علامہ دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت برزنجی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی اولادِ طاہرہ کا اس کتاب میں جو تعارف نامہ تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علامہ محمد المرادی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ مبارکہ "اسلاک الدرر فی وفیات اعیان اهل القرآن الثانی العشر" میں حضرت

علامہ مولانا سیّد محمد بن رسول البرزنجی علیہ الرحمۃ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سادات خاندان کے فردِ فرید ہیں اورر آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام سیّدنا موسیٰ کاظم علیہ السلام تک پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس طرح منتہی ہوتا ہے،،

حضرت سیّدنا امام موسیٰ کاظمؒ بن امام سیّدنا جعفر صادقؒ بن سیّدنا امام محمد باقرؒ بن سیّدنا امام علی زین العابدین بن سیّدنا امام حسینؑ سبطِ رسول بن سیّدنا امام علی بن ابی طالب وسیّدتنا فاطمۃ الزہرا بنتِ سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم"

سیّدنا امام محمد بن رسول البرزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبِ اوصافِ جلیلہ، عظیم عالمِ باعمل، جلیل القدر مفکر، فہیم، ذِی ادراک واقتدار اور جدل و مناظرہ پر پوری قوت رکھنے والے اور حُجت و برہان قائم کرنے والے تھے۔

آپ اکثر طور پر مخالف کے محاورہ سے ہی اُس کی دلیل توڑ کر اُس پر غلبہ حاصل کر لیتے اور وہی حجت اس پر قائم کر دیتے، جیسا کہ آپ ان کے اس رسالہ میں بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں"

ایسے ہی آپ کی ایک کتاب جس کا نام "بالنوافض بالفاء للروافض" ہے۔ رافضیوں کے رد میں ایسی تالیف ہے جس کی مثال دنیا میں کوئی کتاب موجود نہیں"

آپ اس کتاب میں اکثر مقامات پر رافضیوں کا استدلال انہیں پر

لوٹا کر اپنی دلیل قائم کر دیتے ہیں" جیسا کہ علامہ حموی نے "نتائج" میں، علامہ ذہبی نے "نفحات" میں، علامہ بیتی نے "شذورہ" میں اور العیاشی نے رحلت میں آپ کے تعارف نامہ میں بیان کیا ہے۔

ان سب حضرات نے طویل ترین عبارتوں کی صورت میں آپ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، اور آپ کی انتہائی مدحت سرائی کی ہے اور ان لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت علامہ محمد بن رسول البرزنجی علیہ الرحمۃ علامہ معقول و منقول، امامِ اہلِ فروع و اصول، جامع فنون علمیہ، متطلع اذواق اسانید النبویہ تھے،

علاوہ ازیں آپ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قدر فضیلتیں جمع فرما رکھی تھیں جن کے کماحقہ بیان کرنے سے ناقل عاجز ہے۔

اِن صفات کے ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو عالی ہمتی بھی عطا فرما رکھی تھی،

چنانچہ ظاہر طور پر بھی اور پوشیدہ طور پر بھی آپ پر خوفِ الٰہی طاری رہتا اور آپ حدودِ شریعہ سے کبھی متجاوز نہ کرتے۔

گیارھویں صدی کے مجدد

مذکورہ بالا آئمہ حدیث وسیّر آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشکل ترین مسائل کا تیزی کے ساتھ آسان لفظوں

لوٹا کر اپنی دلیل قائم کر دیتے ہیں" جیسا کہ علامہ حموی نے "نتائج" میں، علامہ ذہبی نے "نفحات" میں، علامہ بیتی نے "شذورہ" میں اور العیاشی نے رحلت میں آپ کے تعارف نامہ میں بیان کیا ہے۔

ان سب حضرات نے طویل ترین عبارتوں کی صورت میں آپ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، اور آپ کی انتہائی مدحت سرائی کی ہے اور ان لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت علامہ محمد بن رسول البرزنجی علیہ الرحمۃ علامہ معقول و منقول، امامِ اہلِ فروع و اصول، جامع فنون علمیہ، متضلع اذواق اسانید النبویہ تھے،

علاوہ ازیں آپ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قدر فضیلتیں جمع فرما رکھی تھیں جن کے کماحقہ بیان کرنے سے ناقل عاجز ہے۔

اِن صفات کے ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو عالی ہمّتی بھی عطا فرما رکھی تھی،

چنانچہ ظاہر طور پر بھی اور پوشیدہ طور پر بھی آپ پر خوفِ الٰہی طاری رہتا اور آپ حدودِ شریعہ سے کبھی متجاوز نہ کرتے۔

گیارہویں صدی کے مجدد

مذکورہ بالا آئمہ حدیث و سیّر آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشکل ترین مسائل کا تیزی کے ساتھ آسان لفظوں

میں کافی ووافی جواب دینے کی قوت وقدرت عطا فرما رکھی تھی۔

مشکل ترین مسائل کا جواب آپ مختصر اور جامع مانع الفاظ میں عطا فرما دیا کرتے تھے۔ اور ان میں سے بعض حضرات نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ کو بعض علمائے کرام نے مجددین میں شمار کیا ہے اور نظم کی صورت میں مجددین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے !

کہ گیارھویں صدی کے مجدد حضرت علامہ محمد بن رسول البرزنجی تھے ان کے لیے اس پر شرط جلی موجود ہے، ایک شعر ہے !

حادی عشر قد کان برزنجی
مجددا و شرطہ جلی

علامہ برزنجی کی ولادت

علامہ برزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت با سعادت بارہ ربیع الاوّل شریف ۱۰۴۰ھ جمعۃ المبارک کی رات کو قصبہ البرزنج میں ہوئی،

اور آپ نے لکھنا پڑھنا اپنے والدِ گرامی سے سیکھا اور پھر حصولِ علمِ دینیہ کے لئے اکثر شہروں میں پھرتے رہے اور مشہور ومعروف علماء دین سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے کثیر علوم حاصل کیے۔

بعد ازاں آپ نے مدینۃ المنورہ زاداللہ شرفہا میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور ساتھ سلسلہ تعلیم شروع فرمایا اور اس کے ساتھ ہی آپ عجیب

اور مفید کتابیں بھی تصنیف فرماتے رہتے،

منجملہ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں !

۱ ۔ مامر

۲ ۔ انهار السلسبيل فی شرح اسماء التنزيل ، البيضاوی

۳ ۔ شرح الفيه السيوطی فی مصطلح الحديث اور اس کا نام المصطبح ہے کیونکہ المصلح میں الفیہ کی وضاحت نہیں ہوتی،

۴ ۔ مختصر تلخيص المفتاح

۵ ۔ مرقاة الصعود فی تفسير اوائل العقود

۶ ۔ جالی الاحزان فی فضائل رمضان

۷ ۔ الصاوی علی صبح فاتحة البيضاوی

۸ ۔ والاشاعة فی اشتراط الساعة

ان کے علاوہ آپ کی دیگر بھی بیشمار تصانیف ہیں اور تمام کی تمام انتہائی تعجب خیز اور اعجب الاعاجیب ہیں"

وفات

حضرت علامہ محمد بن رسول البرزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ۱۱۰۲ھ پیر کے دن ظہر کے وقت مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا واکرامہا میں بزقاق قاشی کے گھر میں ہوا۔

اور آپ کے لئے عظیم شہادت گاہ تیار کی گئی، کہتے ہیں کہ آپ کی شہادت زہر دینے سے واقع ہوئی تھی اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کے مزاراتِ مقدسہ کے قریب جنت البقیع میں مدفون ہوئے اور یہ جگہ بناتِ رسول صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہن کے قبہ مبارکہ کے باہر قریب ترین واقع ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ یہ جگہ بناتِ رسول صلواۃ اللہ علیٰ ابیہا وعلیہن اور حضرت عباس اور دیگر اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قبہ ہائے مبارکہ کے مابین قبلہ کی طرف ہے۔ اور آپ کے ساتھ ہی سیّدنا حسن برزنجی رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں ان کا ذکر ابھی ہوگا۔

بلکہ مقامِ مذکور جہاں جنابِ محمد بن رسول البرزنجی قدّس سرّہٗ العزیز کا مزار اقدس ہے، وہاں پر دیگر سادات برزنجین کے متعدد مزارات بھی موجود ہیں گویا جنت البقیع شریف میں ساداتِ برزنج کے لئے مزارات کے لئے جگہ مخصوص کردی گئی ہے"

اور اس شرف وکرامت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیّد محمد بن رسول البرزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آنے والے آپ کے اقرباء اور اولاد سب کے سب صاحبانِ علم وفضل اور مصلح لوگوں پر مشتمل تھے۔

چنانچہ مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا واکرامہا میں بھی حضرات امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور برزنج سوادِ عراق میں مشہور

بستی ہے اور آپ کی اولاد میں سے سیّد عبدالکریم مظلوم کا مدفن مقدس جدہ شریف حجازِ مقدس میں ہے۔

آپ کی شہادت کا واقعہ اس طرح ہے کہ ۱۱۰۳ھ میں مبارک بن احمد بن زید امیر مکہ کی حکومت تھی، انہی دنوں اہلِ مدینہ اور باغیانِ حرم میں جھگڑا ہو گیا اور پھر لوگوں نے آپس میں قتال شروع کر دیا حتٰی کہ دو روز پورے اور ایک دن کا کچھ حصہ قتالِ باہمی اور سخت شرو عناد اور فتنہ وفساد ہوتا رہا۔

چنانچہ اس امر کی اطلاع حکومت کو دی گئی تو حکومت کے اہل کاروں نے جناب سیّد عبدالکریم اور آپ کے صاحبزادے سیّد حسن بن سیّد عبدالکریم اور مدینہ منورہ کے چند دیگر سربرآوردہ لوگوں کے نام بھی لکھوا دیئے۔

چنانچہ حکومت کی طرف سے بعض لوگوں کو قتل کر دینے کا حکم جاری کر دیا گیا جن میں جناب سیّد عبدالکریم قدس سرہ العزیز اور آپ کے بیٹے سیّد حسن قدس سرہ العزیز کا نام بھی تھا"

مگر آپ کے صاحبزادے سیّد حسن بن عبدالکریم بن سیّد محمد بن رسول البرزنجی صاحبِ تالیف ہذا بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے،

آپ مسجد نبوی شریف زاداللہ شرفہا میں صبح کی نماز کے بعد درس دینے میں مصروف تھے کہ حکومت کے کارندوں کے دل میں خیال آیا کہ موقع انتہائی مناسب ہے لہٰذا اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

چنانچہ ان لوگوں نے مشورہ کیا کہ ابھی اور اسی حال میں آپ کو شہید کر دیا جائے، چنانچہ جب وہ لوگ آگے بڑھے تو آپ نہائت سکون اور صبر سے درس دینے میں مشغول رہے حتیٰ کہ جب وہ لوگ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ کے قریب ہوئے تو سب کے سب اندھے ہو گئے اور حال یہ تھا کہ آپ کے درس کی آواز تو سُن رہے تھے مگر آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے،

چنانچہ وہ لوگ ایسے ہی خالی ہاتھ واپس آ گئے اور تمام حالات سے اپنے امیر کو اطلاع دی، اُن کے امیر نے اُن کی باتیں سنیں تو بغیر زجر و توبیخ کئے ان کو چھٹی دے دی، اور ان کی جگہ دوسرے لوگوں کا ایک جتھہ تیار کیا کہ جب سیّد حسن بن سیّد عبد الکریم مسجد نبوی شریف زاداللہ شرفہا سے درس ختم کر کے باب السلام کے راستہ اپنے گھر کو جانے لگیں تو تُم ان سے پہلے ہی گھر کا محاصرہ کر لو اور کچھ لوگوں کو ان کے گھر کے دروازہ پر مقرر کر دو۔

محاصرہ کرنے والوں پر رعب

چنانچہ سیّد حسن بن سید عبد الکریم جب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو خلافِ معمول لوگوں کو گھیراؤ کئے ہوئے دیکھا تو آپ بلا خوف و خطر پوری شان و عظمت کے ساتھ اپنے گھر کے اندر تشریف لے گئے اور ان محاصرہ کرنے والوں کے دلوں پر آپ کا اس قدر رعب غالب آ چکا تھا کہ وہ کسی بھی

قسم کی مداخلت نہ کر سکے،،

مدینہ منورہ سے ہجرت

جناب سید حسن بن سید عبدالکریم قدس سرہ العزیز اپنے دولت کدہ کے اندر تشریف تو لے آئے مگر ساتھ ہی آپ نے فیصلہ فرمایا کہ ان حالات میں یہاں رہنا انتہائی مشکل ہے لہٰذا بامرِ مجبوری مدینۃ الرسول علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی برداشت کرنا ہی پڑے گی۔

چنانچہ آپ نے اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اسی وقت مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا سے مصر کی طرف جانے کی مکمل تیاری فرمالی چنانچہ پہلے تو آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر اس کے بعد مٹی کی ایک مٹھی لیکر گھر سے باہر نکل آئے، دروازہ کا محاصرہ کرنے والے لوگ ابھی اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔

شاہت الوجوہ

آپ نے مٹی کی مٹھی پر "شاہت الوجوہ . شاہت الوجوہ و اعنت الوجوہ للحی القیوم و قد خاب من حمل ظلماً پڑھ کر ان لوگوں کے سروں پر بکھیر دی تو ان کو ہر گز معلوم نہ ہو سکا کہ آپ انہیں کب سے چھوڑ کر تشریف لے جا چکے ہیں"

حالانکہ آپ ان کے سامنے سے گزر کر باہر آئے تھے مگر وہ آپ کو نہ دیکھ سکے، حتیٰ کہ آپ منزل بمنزل چلتے ہوئے مصر پہنچ گئے۔

اہلِ مصر نے آپ کی آمد پر خوش آمدید کہا ، چنانچہ آپ مصر ہی میں اقامت گزین ہو گئے اور جامع ازہر میں داخل ہو کر اکبر علمائے کرام کے ساتھ بیٹھتے ،

حضور کی بارگاہ میں قصہ غم

اور یہیں آپ نے اپنی عظیم کتاب "نفثۃ الصدور" تالیف فرمائی اور یہ ایسی رفیع الشان کتاب ہے کہ اس کی مثال کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، گویا یہ اپنے موضوعات پر بے مثال اور بے نظیر کتاب ہے، فصاحت و بلاغت، حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعتیہ قصائد، حکیمانہ کلمات، سادات صوفیائے کرام کے مسلک کے وہ طریقے جن سے منزلِ مقصود کا حصول ہوتا ہے، اور وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجر رسیدہ عاشقوں کو درد والم اور آپ کے فراق میں تڑپ تڑپ کر ملا کرتی ہے۔

اور ان اشعار میں رسو اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب ہجرت میں پیش آنے والے واقعہ کی طرف اشارا کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ اسی طرح میں نے مدینہ منورہ سے نکلتے وقت محاصرین کے سروں پر مٹی پھینکی تو وہ

دیکھنے سے معذور ہو گئے،، اور میں ان کے درمیان سے گزر آیا،

بہرحال ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فراق میں شب وروز قصائد لکھتے لکھتے بالآخر سیّد حسن بن عبدالکریم فضا سازگار ہونے پر دوبارہ مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا میں پہنچ گئے۔

کُوئے یار سے سُوئے دار

اب آپ ان کے والد سیّد عبدالکریم بن سید جعفر بن سید محمد بن رسول البرزنجی رضی اللہ عنہم کا واقعہ سنئے،

آپ اپنے بیٹے کے بعد بعض دشمنوں کی شرانگیزی کا نشانہ بن کر چند روز صعوبتیں اُٹھاتے رہے، اور پھر مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا میں پہنچ گئے، ابھی آپ مکہ معظمہ میں اقامت گزین ہوئے ہی تھے کہ وہاں کہ وزیر ابوبکر پاشا نے آپ کو گرفتار کرلیا اور پھر جدہ شریف کے قلعہ میں بند کر دیا، بعدازاں جلد ہی ان کے قتل کا حکم دے دیا اور پھر ۸ ربیع الاول ۱۱۳۸ھ کو رات کے وقت آپ کو ظلماً پھانسی دے دی گئی، صبح ہوئی تو جدہ کے بازار میں آپ کی لاش پر پتھراؤ شروع کروادیا اور پھر یہ سنگ باری کا سلسلہ پورا دن جاری رہا،

شام کا وقت ہوا تو بعض نیک لوگوں کا ایک وفد سرکاری اہل کاروں کو ملا اور بعد سفارشات وگزارشات لاش حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکا، پھر آپ کو تجہیز وتکفین کے بعد جدہ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا، آپ کے

جنازہ میں لوگ حصولِ برکت کے لئے تیزی کے ساتھ روتے ہوئے شریک ہورہے تھے ،اللہ تبارک وتعالیٰ آپ پر وسیع رحمت نازل فرمائے،

جہاز غرق ہوگیا

کتاب "روض الاعطر" میں ہے کہ جناب سید عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کو ظلماً پھانسی دینے والے وزیر ابوبکر پاشا کو جلد ہی معزول کردیا گیا، چنانچہ اس نے جدہ سے قسطنطیہ جانے کے لئے کرائے پر جہاز حاصل کیا اور چند ساتھیوں کے ساتھ جہاز پر سوار ہوگیا، وہ جہاز ابھی بندرگاہ سے زیادہ دور نہیں آیا تھا کہ تیز ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں اور پھر مذکورہ وزیر ابوبکر پاشا جہاز سمیت غرق ہوگیا،

اس پورے جہاز کی سواریوں میں سے انتہائی قلیل لوگ بچ سکے تھے،

مصنف فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے جدہ شریف کے ثقہ علماء کی زبانی اپنے کانوں سے سنا، انتہیٰ "

اولاد

جناب سیّد عبدالکریم بن سیّد جعفر بن سیّد محمد بن رسول البرزنجی رضی اللہ عنہم کی اولاد میں ایک تو سید حسن بن عبدالکریم ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا، اور

دو رے جعفر بن سید عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہما ہیں، جن کی مشہور تصنیف ''
''الـ ولد'' ہے۔ جس کی عبارت کی ابتداء اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذاتی اسم علا
سے کی ئی ہے، اور آپ کے ایک بیٹے کا نام سیّد علی بن سیّد عبدالکریم ہے،،

جناب سیّد جعفر بن سیّد عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہما کی عظیم منظوم تالیف
مبارکہ ''جالیت القدر فی اصحاب سیّد الملائک والبشر'' کے نام سے
مشہور ومعر ف ہے، اس کتاب میں انہوں نے غزواتِ احد وبدر میں حصّہ
لینے والے ابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی نظم فرمائے
ہیں، اور اپنی ا بلند پایا تصنیف کی ابتداء اس شعر سے کی ہے،

بدریته وافت ببرهان بهر
احدیة فی سرد ها سر ظهر

بہرکیف! جناب سیّد جعفر رحمۃ اللہ علیہ امامِ عصر اور عالمِ باعمل تھے،
آپ کی ولادت مبارک ۱۲۶ا ھ کو مدینہ منورہ زاداللہ انوارہا میں ہوئی، آپ
نے قرأت، قرآن اور دیگر دینی علوم کے حصول کے لئے کثیر مشائخ سے
اکتسابِ فیض کیا اور آپ کے اساتذہ کی تعداد کی فہرست بہت طویل ہے،،

آپ کو جمیع علوم عقلیہ اور نقلیہ میں دیگر علمائے عصر پر فضیلت اور
فوقیت حاصل تھی، یہی وجہ تھی کہ آپ مدینہ منورہ زاداللہ اکرامہا میں فتویٰ
شافیہ کے منصب کے متولّی بھی تھے اور لوگوں کو سلوکِ طریقت کی تعلیم بھی دیا
کرتے تھے۔

بارش کے لئے دعا

اللہ تعالیٰ نے آپ کو زبردست قوتِ عمل واستقامت عطا فرمارکھی تھی اور آپ سے اکثر طور پر کرامات کا ظہور بھی ہوتا رہتا تھا،

ایک روز جمعۃ المبارک کی نماز پڑھانے کے لئے مصلّے پر تشریف فرما تھے اور خُطبہ شروع فرمانے لگے تو لوگوں نے کہا کہ بارش کے لئے دعا فرمائیں حالانکہ اس وقت لوگ شدید قحط اور خشک سالی کی شکار تھے، مگر آپ نے ابھی خطبہ ختم بھی نہیں فرمایا تھا کہ آسمان سے بارش ہونے لگی اور پھر اس بارش نے اتنا زور پکڑا کہ چاروں طرف جل تھل ہو گیا مگر بارش کا تسلسل نہ ٹوٹا حتیٰ کہ پورا ہفتہ مدینہ منورہ زاداللہ تعظیمہا میں بارش ہوتی رہی،

ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور پھر عہدِ فاروقی میں دعا کرتے ہی مدینہ منورہ زاداللہ اکرامہا میں بارش ہوئی تھی، چنانچہ اس واقعہ کے بعد عُلمائے کرام آپ کی مدحت سرائی کیا کرتے تھے اور آپ کے ہمعصر ایک فاضل نے آپ کا قصیدہ لکھا جس میں اس بارش کا واقعہ یوں منظوم کیا،

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارش کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس ابنِ عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وسیلہ حاصل کیا تھا اور ہم نے بارش کے لئے سیّد جعفر رحمۃ اللہ علیہ

کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا، اُن کے لئے وہ وسیلہ تھے اور ہمارے لئے یہ امام العارفین وسیلہ ہیں۔

سقی الفاروق بالعباس قدما
ونحن بجعفر غیثا ثقینا
فذاک وسیلة لهم و هٰذا
وسیلتنا امام العارفینا

یوم وصال کی خبر خود دی

اور من جملہ آپ کی کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے یومِ وفات کی خود خبر دی تھی، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات ۲۵ شعبان المعظم ۱۱۷۷ھ کو مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا میں ہوئی اور آپ کو جنت البقیع شریف میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کے قبہ شریف کے قریب ان کے آباؤ اجداد ''سادات البرزنج'' کی قبروں کے ساتھ دفن کیا گیا تھا،

چنانچہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا مرثیہ کہا اور ابھی تاریخِ وفات کا شعر کہنا باقی تھا کہ انہوں نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں اس وقت دیکھا جب آپ کے وصال کو تیرہ راتیں گزر چکی تھیں، چنانچہ آپ نے ان کی خواب میں آ کر اپنی تاریخِ وصال یوں موزوں فرمائی!

کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا، اُن کے لئے وہ وسیلہ تھے اور ہمارے لئے یہ امام العارفین وسیلہ ہیں۔

سقی الفاروق بالعباس قدما

ونحن بجعفر غیثا ثقینا

فذاک وسیلة لهم و هٰذا

وسیلتنا امام العارفینا

یوم وصال کی خبر خود دی

اور من جملہ آپ کی کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے یومِ وفات کی خود خبر دی تھی، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات ۲۵ شعبان المعظم ۱۱۷۷ھ کو مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا میں ہوئی اور آپ کو جنت البقیع شریف میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کے قبہ شریف کے قریب ان کے آباؤ اجداد ''سادات البرزنج'' کی قبروں کے ساتھ دفن کیا گیا تھا،

چنانچہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا مرثیہ کہا اور ابھی تاریخِ وفات کا شعر کہنا باقی تھا کہ انہوں نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں اس وقت دیکھا جب آپ کے وصال کو تیرہ راتیں گزر چکی تھیں، چنانچہ آپ نے ان کی خواب میں آکر اپنی تاریخِ وصال یوں موزوں فرمائی !

فــی جـنـت الـفـردوس یعلو نزلی

۵۴۳+۴۸۱+۱۱۶+۱۳۷ = ۱۱۷۷ھ

یعنی مجھے جنت میں اعلیٰ منزلت نصیب ہوئی ہے۔

جناب شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! کہ جب میں نے مرثیہ میں تاریخِ وفات کے شعر کا مصرعہ اولیٰ کہا اور تاریخ کا حساب کیا تو اس میں لفظ جنت کے حرف ''ت'' کے چار صد اعداد شامل کرنا پڑتے تھے، اور یہ امر ادیبوں کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ جنت کو جنہ پڑھ کر ج اور ن کے بعد ہ کے پانچ اعداد شامل کیے جائیں یا جیم اور نون کے بعد ''ت'' کے چار صد اعداد شامل کریں، مگر جب میں نے اس مصرعہ پر غور کیا جو اوپر مذکور ہے تو وہ میرے لکھے ہوئے قصیدہ کے وزن کے مطابق تھا اور اسی قافیہ میں تھا، تو یہ سیّد جعفر رحمۃ اللہ علیہ کی واضح کرامت ہے کہ آپ نے اپنی تاریخِ وفات اپنی وفات کے بعد خود موزوں فرمائی، اور اپنا مرثیہ لکھنے والے کو خواب میں یہ تاریخ یاد بھی کروادی،،

چونکہ حضرت علامہ سیّد محمد بن رسول البرزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نرینہ اولاد آپ کے پوتے جناب سیّد حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے چلی ہے لہٰذا سیّد جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد طاہرہ میں صرف ایک بیٹی تھیں جن کا نکاح اُن کے چچازاد جناب زین بن محمد سے ہوا اور ان کے ہاں ایک بیٹا ہوا جس کا نام سیّد محمد ہادی تھا، نیز آپ کے شوہر جناب زین بن محمد کے

والدِ گرامی سیّد محمد رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے بیٹے کا اسم شریف علامہ سیّد زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

علامہ سیّد زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ مذکور زبردست عالم دین تھے اور حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلادِ مقدس اور معراج پاک پر آپ کی مشہور منظوم تصانیف ہیں آپ نے ان دونوں کتابوں کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے عالیشان اسمِ ذات سے کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کی ہے۔ اور اپنے اشعار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار واخبار سے مزیّن فرمایا ہے۔

وفات

آپ اہلِ مدینہ کی ایک جماعت کے ساتھ قسطنطنیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ۱۲۱۴ھ سب حضرات کا سویز کے مقام پر انتقال ہو گیا چنانچہ سب حضرات کو ایک ہی مقام پر دفن کر دیا گیا۔

حضرت علامہ سیّد زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ایک صاحبزادے حضرت علامہ مولانا سیّد محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تھے، آپ زبردست عالم دین اور بے بدل فاضل تھے اور آپ کے باپ دادا کی طرح آپ کی سکونت بھی مدینہ منورہ زادالہ شرفہا میں تھی۔

پھر جب وہابیہ کو غلبہ حاصل ہو گیا تو آپ اہلِ مدینہ کی ایک

جماعت کے ساتھ ۱۲۲۳ھ میں مدینہ منورہ اور حجازِ مقدس کی سکونت ترک کرکے نواح میں عراق کردستان کے شہروں کی طرف آگئے اور پھر وہاں کے حاکم عبدالرحمٰن پاشا کے پاس جمع ہوگئے،

عبدالرحمٰن پاشا مذکور خود بھی صاحب علم وفضل تھا اور علمائے کرام سے بھی محبت کرتا تھا، چنانچہ جب اس کی مُلاقات سیّد محمد اسماعیل بن سیّد زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تو اس نے آپ کا نہایت اکرام و احترام کرتے ہوئے اپنے پاس ہی ٹھہرالیا، اور پھر اپنی بیٹی جن کا نام عائشہ تھا آپ کے نکاح میں دے دی،

اِنہی جنابِ عائشہ کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل بن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہما کے دو بیٹے سیّد جعفر اور سیّد احمد اور ان کی بہنیں پیدا ہوئیں،

سیّد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اِس سرزمین کردستان میں پورے پینتالیس سال نہایت عزّت واحترام اور تزک واحتشام سے قیام پذیر رہے، اور مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا سے آپ کی اس طویل غیر حاضری کے زمانہ میں مسلکِ شافیہ کے مُفتیانِ کرام آپ کے چچازاد بھائی اور ان کے بیٹے رہے،

اور آپ کی اولاد طاہرہ مولانا سیّد جعفر اور ان کے بہن بھائی علاقہ کردستان میں ہی بڑھے پھولے، پھر آپ ۱۲۶۹ھ میں وہابیت کے زوال کے بعد وطن مالوف کی طرف متوجہ ہوئے اور رجبِ المرجب کے مہینہ میں

عازمِ مدینہ ہو گئے، پہلے آپ شام کے راستہ سے ہوتے ہوئے مصر پہنچے اور وہاں اپنے بڑے بیٹے سیّد جعفر رحمۃ اللہ علیہ کو مزید علم حاصل کرنے کے لئے مصر کی مشہور دینی درسگاہ جامع ازہر میں داخل کرادیا، جہاں انہوں نے کثیر عُلمائے مشاہیر سے اکتسابِ فیض کیا، بیٹے کو مدرسہ میں داخل کرانے کے بعد سیّد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ پہلے حجازِ مقدس کے دارالسلطنت قسطنطنیہ میں تشریف لے گئے اور وہاں سُلطان عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں قصیدہ سنیہ کے نام سے ایک نظم لکھی جس سے متاثر ہو کر سُلطان عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا وعلیٰ ساکنہا افضل الصلواۃ والتحیۃ میں مسلک شافعیہ کے مفتیِ اعظم مقرر کردیا،

چنانچہ یہ اعزاز حاصل کرنے کے بعد سید اسماعیل بن زین العابدین رحمۃ اللہ علیہما نے ترکی سے مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا وانوارہا واکرامہا میں اوئل رجب المرجب ۱۲۷۱ھ میں دوبارہ شرفِ سکونت حاصل کیا،

آپ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے موقع پر دیگر عُلمائے مدینہ منورہ کے علاوہ جناب شیخ عبدالجلیل آفندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو زبردست منظوم ھدیۂ عقیدت پیش کیا، آپ کے اس عقیدے کا مطلع ہے

الدھر أقبل با لمسرۃ یسعد　　ولنا با نجاح المطالب ینجد

یعنی مدینہ منورہ میں آپکی تشریف آوری ہمارے لئے باعث صد مسرت و سعادت ہے، آپ کے آنے سے ہمیں اپنے مقاصد میں کامیابی

اور سربُلندی حاصل ہوگئی ہے،

اِسی قصیدہ کے دو شعر مزید سنیے! آخری شعر میں آپ کی آمد کی تاریخ بھی موجود ہے۔

واطيبة مذعدت قلت مورخا فی بيت شعر بالمحاسن يفرد

قد عاد جارا للرسول محمد نجل نما والعود منه احمد ۱۲۷۷

بہر حال ! اس کے بعد سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ مدت مدید تک منصب فتویٰ شافعیہ پر متمکن رہے اور پھر جب آپ نے یہ منصب چھوڑا تو ان کی وفات سے آٹھ ماہ قبل ان کے لائق و فاضل فرزندِ ارجمند سیّد جعفر ۱۲۷۸ھ بھی حاضری کو آ گئے ، آپ ابھی تک دار السلطنت ترکی میں قیام پذیر تھے، آپ کی آمد سے قبل فتوے کا کام آپ کے والدِ ماجد نے اپنے دوسرے بیٹوں کے سپرد کر رکھا تھا جن کے نام یہ ہیں !

۱ ۔ عالم و فاضل مولانا سیّد احمد بن مولانا سیّد اسماعیلؒ

۲ ۔ سیّد عبدالکریم بن مولانا سیّد اسماعیلؒ

ان کے علاوہ سیّد جعفر کے ایک تیسرے بھائی سیّد علی بن سیّد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جن کا وصال ان کی غیر موجودگی میں ان دنوں ہوا جب وہ دار السلطنت ''ترکی'' میں عہدۂ قضا کے ارادہ سے گئے تھے، بعد ازاں آپ پورے پچاس سال اس عہدۂ عظیم پر شوال المکرّم ۱۳۰۲ھ تک متمکن رہے، پھر آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکہ معظمہ میں تشریف لے

آئے اور وہاں سے طائف چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی،

علامہ قاضی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد فرماتے ہیں !

حضرت سیّد جعفر بن سیّد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تادمِ تحریر اپنے اہل و عیال کے ساتھ طائف شریف میں مقیم ہیں، مگر اُن کا ارادہ یہ ہے کہ مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا کی طرف چلے جائیں گے، اور وہیں پر مستقل سکونت اختیار کریں گے۔

اولاد

آپ کے دو صاحبزادے سیّد اسمٰعیل اور سیّد ہاشم ہیں،

تصانیف

آپ کی جلیل القدر تصانیف میں سے ایک کی شرح کا نام "الکوکب الانور علیٰ عقد الجواھر فی مولد النبی الازھر" ہے یہ جنابِ سیّد جعفر رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کی طرف سے ملنے والی زبردست تالیف عقد الجواھر فی مولد النبی الازھر کی شرح ہے۔

علاوہ ازیں آپ کی ایک تصنیف "شواھد الغفران علیٰ جالی الا حزان فی فضائل رمضان" ہے اور یہ کتاب ان کے جدِ امجد حضرت جناب سیّد محمد بن رسول البرزنجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تالیف مبارکہ "جالی الاحزان"

فی فضائل رمضان کی شرح ہے اور اس کتاب کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایسے ہی آپ نے اپنے جد امجد سیّد علی بن سیّد حسن کی کتاب جالی الکدر" کی شرح مصابیح الغرر علیٰ جالی اکذر" کے نام سے تالیف کی ہے اس کتاب کا بھی پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، علاوہ ازیں آپ نے اپنے جدِ امجد سیّد زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی معراجِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لکھی ہوئی عظیم تالیف کی شرح لکھی ہے، جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اور اس کا نام "ضو الوهاج فی الاسریٰ والمعراج" ہے

بہر کیف ! آپ نے اس کی شرح کا نام 'تاج الابتهاج علیٰ ضو الوهاج فی الا سریٰ والمعراج" رکھا ہے اور یہ جلیل القدر تالیف ہے۔

ان کے علاوہ آپ نے حضرت مولانا سُلطان غازی عبدالمجید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فرمائش پر مسجدِ نبوی شریف زاداللہ شرفہا کی عمارت کے متعلق عظیم الشان اور جلیل القدر تالیف نُزهة الناظرین فی عمارت مسجد سیّد الاولین والآخرین کے نام سے تحریر فرمائیں"

اِنہیں میں سے ایک کتاب کا نام "الروض العطر فی مناقب سیّد جعفر" ہے۔

علاوہ ازیں بھی آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ مختصر یہ کہ اس خاندانِ عالیہ کا ہر شخص عالم و فاضل اور صاحبِ صلاح ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم ان کی وجہ سے ہمیں نفع اور برکت

عطا فرمائے اور ان کی موافقت میں ہر قسم کی خیر و برکت اور فلاح ہے۔

و صلی اللّٰہ علی سیدنا محمدٍ وعلیٰ آلِ
مُحمّدٍ وّ اصحابِہٖ اَجمٰعین وَ سلامٌ علی
المُرسَلین والحمد للّٰہ ربِّ العٰلمین

قصیدہ بحضور ابوطالب

اب آپ سیّدنا دحلان مکی علیہ الرحمۃ کے اُس عظیم الشان قصیدہ مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو اُنہوں نے حضرت ابوطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اپنی تالیف اسنی المطالب فی نجات ابی طالب کے آخر پر تحریر فرما رکھا ہے۔

☆ کسی نے کیا خوب کہا ہے میرے دوستو! ذرا سعد کے نکلنے کی جگہ پر ٹھہر جانا اُس کی مجلس بڑی بُلند اور عظمت والی ہے۔ اور اس کی رہائش گاہ کے بارے میں میرے شوق کی شرح کو رقم کرنا"

☆ اُفق کے ہجوم پر جو جگہ مطلعِ انوار ہے یعنی مدفنِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آنا اور اگر وہاں تُم پر حیرت مسلط ہو جائے تو بچ کر رہنا"

☆ اُس کے گھر پر رحمت و رضوان کے بادل ٹوٹ کر برستے ہیں"

ذرا ٹھہرو اور دیکھو کہ خوشیاں فرطِ انبساط و طرب سے لہک رہی ہیں اور اچھوتے معنی کو سیراب کر رہی ہیں اور احادیث عجائب کو ایک ایسے سمندر سے تحریر کرو جو اپنے معنی کے بیان میں انوکھا ہے۔

☆ وہ عظیم شخص قابلِ حفاظت اشیاء کا محافظ اور پناہ مانگنے والے کو

پناہ دینے والا ہے، خصائل اِس سے عزت حاصل کرتے ہیں، مگر اس نے باوجود اس کے کبھی اپنے مقابل پر فخر نہیں کیا،

☆ وہ کون ہے؟ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا لائقِ صد احترام چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ جسے قریشِ مکّہ کے بغض وحسد کی آگ کے شُعلے بھی حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امداد اعانت سے نہیں روک سکے۔

☆ وہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ حضور سَرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ بناتے رہے اور آپ کی نصرت وحمایت کرتے رہے۔

☆ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ جاںنثار مصطفٰے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے سامنے جس خواہش کا بھی اِظہار کیا تو اُنہوں نے ہمیشہ اُسے پورا کیا۔

☆ اے وہ شخص جو کل ہمیشہ رہنے والی بُلندیوں کا خواہاں ہوگا۔ اس کے منادی اور اس کے غمزدہ کی امداد واعانت کر۔

☆ اے ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تجھے اپنے پسندیدہ اور چُنے ہوئے رسول کی حفاظت کے لئے مخصوص فرمالیا ہے۔ اور یہ امر تیرے لئے حصولِ فخر کا باعث ہے"

☆ اے ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھے طٰہٰ کی محبت سے وسطہ

پڑا، تُو تو اُس محبت میں کامیاب وکامران رہا اور جو شخص طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت حاصل کرلیتا ہے اُس کے لئے یہی بات کافی ہے۔

☆ اے ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نے صدق وصفا کی کتنی ہی نشانیوں کا مشاہدہ کیا، جن سے نور حاصل کیا جاتا ہے، اور تو اپنے دل کو اس نور سے بھرتا اور سیراب کرتا رہا ہے۔

☆ اے ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گذشتہ تمام لوگوں میں کون ایسا خوش نصیب ہے جس نے طٰہٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں تیری طرح کامیابی اور کامرانی حاصل کی ہو؟

☆ اے ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نے آمنہ کے دُرِ یتیم خیرالوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یتیمی کے دنوں میں شفقت ومحبت کے ساتھ کفالت وپرورش کی ہے، تو اور تیرے بیٹے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان تھے۔

☆ جب قبیلہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی اور عداوت کا مظاہرہ کیا تو اے ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری پوری مدد کی اور جب آپ کے دشمن حد سے بڑھنے لگے تو تُو اُن کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہوگیا"

☆ اے ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی حمایت میں کھڑا ہونے کی سعادت تو نے حاصل کی اگر وہ نہ ہوتے تو دنیا اپنے وجود کی خوشبو بھی نہ

سونگھتی اور اِن کی برابری کا دعویٰ کون کرسکتا ہے جن کے چہرۂ انور کا تو عاشق ہے۔

☆ اے ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام تر احسانات سے اعلیٰ اور پیاری چیز ہے، اور جو موقع اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اُس کی خوبی اور محبوبی کا کیا ہی کہنا ہے"

☆ اے ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی کامیابی آپ کو مبارکباد پیش کرتی ہے کہ آپ اپنے گرد و پیش میں اپنی تکمیلِ آرزو کی بجلیوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ جو شخص بھی کسی اچھے شخص کے ساتھ حُسنِ سلوک اور احسن انداز سے پیش آئے گا اُسے اپنی آرزوؤں سے بھی زیادہ حاصل ہوگا۔

☆ جو شخص بھی کسی سعید الفطرت ہستی کی ضروریات کو پورا کرنے کی سعی و جہت کرتا ہے وہ اِس بات کا مستحق ہے کہ اُس کی اُمیدیں پوری ہوں،،

☆ اے ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنی سوداگری میں مساعیٔ جمیلہ کو بروئے کار لانے والا ہے اِس لئے میں تیرے مکان پر اس کی رحمت کے بادلوں کا حصہ طلب کرنے آیا ہوں" میں تجھ سے خیر کے بادلوں کا طلبگار ہوں اور اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اُمیدوں کے بونے مصفّا

پانی سے پکتے ہیں۔

☆ اے تمام انسانوں سے بہتر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں آپ کے لطف وکرم کا طالب ہوں"

کیونکہ جس کا وسیلہ آپ ہیں اُس کی کامیابی یقینی ہے۔

☆ اے ہدایت عطا فرمانے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِس ضعیف وناتواں پر بھی نگاہِ شفقت ورحمت فرمایئے،

یارسول اللہ ! عشق جسے بھی آپ کے قریب کر دیتا ہے اُس کے گناہوں کا بوجھ اُس سے دور ہو جاتا ہے۔

☆ یاطٰہٰ صلی اللہ علیک وسلم ! المدد المدد، میرا ہاتھ تھام کر مجھے نفس کے شکنجے اور شیطان وتکبر سے نجات دلایئے کیونکہ میری کمزوریوں اور ناتوانی کی وجہ سے ان چیزوں نے میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیا ہے اور ان چیزوں کے اسیر کی نجات مشکل ہی سے ہوتی ہے۔

☆ ہائے افسوس کہ عمر ختم ہو جائے گی مگر میں کوئی فائدہ مند چیز نہ حاصل کر سکا، کاش میں نے نفس وشیطان وغیرہ کو موقع نہ دیا ہوتا" میرے محبوب مُجھ پر غالب آنے کے لئے گناہ آپ نے تو نہیں دیئے بلکہ میں خود ہی حد سے بڑھ گیا ہوں"

☆ ہائے افسوس ! میں ہمیشہ اِس سے نالاں رہتا ہوں، محبوب میں آپ کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوں، اس لئے مجھ جیسے شخص کے لئے

پہلا فتویٰ

فتویٰ

یہ سوال ۱۲۹۹ھ میں شریفِ مکّہ سیّدنا و مولانا عبدالمطلب رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ عمارت میں اُٹھایا گیا"

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں عُلمائے اعلام و مصابیح الظلام اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی وجہ سے کمینہ خصلت اور ذلیل لوگوں کا خاتمہ فرمائے،

اِس مسئلہ کے بارے میں کہ ان کمینے اور ذلیل لوگوں میں سے بعض طالب علم یہ گُمان رکھتے ہیں کہ حضور رسالتمآب نبی اکرم علیہ افضل الصلوٰۃ و السلام کے عمِ محترم جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار گرادیا جائے،

اور وہ اِس ضمن میں اپنا یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حرمت والے شہر مکّہ معظّمہ میں جنابِ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر جمع ہونا فعل منکر ہے "

چنانچہ اُنہوں نے اس سلسلہ میں سربراہانِ حکومت کو ایک عرضداشت بھی لکھی ہے اور علماء کے خلاف بھی عوام الناس کو انگیخت دینے

اور اکسانے کی کوشش کی ہے۔ اور اس قسم کے شنیع جملے کہے ہیں کہ یہ ایک کافر کی قبر ہے اِس لئے اِسے گرا دینا چاہیے،

اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت ہو ایسے شخص پر جو اس قسم کے سوئے ہوئے فتنے اُٹھاتا ہے، جس سے خطرناک قسم کے حالات مرتب ہونے کا امکان ہے۔

حالانکہ اہل سنت والجماعت کی کثیر تعداد جن میں سادات بنی ہاشم و دیگر علمائے کرام ہیں، اس لئے نجاتِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدہ رکھتے ہیں، کہ یہ امر یعنی نجاتِ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ عظیم المرتبت اور عالی قدر علماء حقہ نے اپنی کتابوں میں نقل فرما رکھا ہے اور خُدائے ملک العلام کے حضور لوگوں کے لئے حجت پکڑی ہے اور یہ وہ علمائے اعلام ہیں جن میں امام تاج الدین سبکی، امام ابو عبداللہ قرطبی، امام عبدالوہاب شعرانی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں بھی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر ہمیشہ اپنی رحمتیں نازل فرمائے،

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زندہ فرمایا اور وہ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے اور بعد از قبول اسلام فوت ہوئے۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوبارہ زندہ ہونے اور

ایمان لانے کی منقولا بالا روایت نقل فرمانے کے بعد امام محقق سیدنا و مولانا حضرت امام السحیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی عقیدہ ہے اور اسی عقیدہ کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ملاقات کروں گا۔

اور جو جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عذاب کے متعلق کہا جاتا ہے تو وہ محض آپ کے دوبارہ زندہ ہونے تک تھا چنانچہ جب آپ کو دوبارہ زندہ فرمایا گیا اور آپ ایمان لے آئے تو سلسلہء عذاب از خود ختم ہو گیا۔

نیز اگر اس عذاب کے لئے قیامت کے دن کی بات کی جائے تو قیامت یہی ہے کہ آپ کے جسدِ پاک سے ایک بار روح کا اخراج کر دیا گیا، کیونکہ فوت ہونے والے کے لئے یہی قیامت ہے۔

جو کچھ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نصوصِ شریعہ سے ثابت کیا ہے تو کیا جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کی تردید کرنے والا مبغض شخص یہ کوشش نہیں کر سکتا کہ اس معاملہ میں خاموش ہی رہ سکے۔ اور جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پر حرف گیری کرنے کی بجائے اس بات کا ہی خیال رکھے کہ اس قسم کی باتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آلِ اطہار اور آپ کے محبین کو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے۔

اور کیا اس شخص کی جہالت نہیں جو اِن کے لئے نہ تو عذر پیش کرتا

ہےاور خود ایسی چیز طلب کرتا ہے جو اُسے کچھ بھی مدد نہیں دے سکتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حکامِ وقت کی امداد فرمائے کیا ان کے لئے واجب نہیں کہ ایسے پُر کینہ شخص کو زجر و توبیخ کریں جو اس قسم کی غلیظ حرکات کا ارتکاب کرتا ہے جو مسلمانوں کو فتنوں میں مبتلا کر دینے کا باعث ہو سکتی ہیں۔

تمام تعریفیں دونوں جہان کے پروردگار کے لئے ہیں، اے میرے پروردگار میرا علم زیادہ فرما۔

بعض مفسرین کرام زیرِ آیت "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ" فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرمایا کہ محبوب ! اپنی اُمت سے فرما دیجئے کہ میں تم سے تبلیغِ رسالت کا کچھ صِلہ طلب نہیں کرتا اس کے سِوا کہ ! میرے قرابت داروں کے ناموس کا تحفظ کرو اور ان سے میرے خون کے رشتہ کی وجہ سے محبت اور مودّت کرو۔

اور یہ حکم محض اس شخص پر منطبق نہیں ہوتا جو قریش میں سے زندہ ہے بلکہ یہ امر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر قرابت دار کو شامل ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ مجھ پر ایمان لائے ہو تو میرے قریبیوں کے معاملہ میں اپنی زبانوں کو قابو میں رکھو اور ان کی شان میں گستاخی کر کے مجھے ایذا نہ دو۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بے شک جو لوگ اللہ اور اس

کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب کی وعید ہے۔"

اور جناب ابو طاہر رحمۃ اللہ علیہ ابن وحشی کی کتاب "الشہاب" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھتا ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا کافر ہے۔

نیز مفتی ابو سعود کی کتاب "معروضات" میں ایک فتویٰ اِس طرح بھی موجود ہے۔

سوال: ایک طالب علم نے حدیث کی کتاب ہاتھ میں لے کر پوچھا ہے کہ کیا حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تمام احادیث سچی ہیں

جواب:۔ اس جملہ سے اس طالب علم کو کفر ثابت ہوتا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کے سوال پوچھنے کے انداز میں انکار پایا جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ایک عیب منسوب ہو جانے کا احتمال ہے۔

دُرِمختار میں ہے کہ جب کوئی شخص کفریہ کلمات کہتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس سے کفر لازم ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بعض نے کہا ہے کہ کہ وہ شخص کافر نہیں بلکہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے معذور ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس تنقیح کے ساتھ وہ کافر ہو جاتا ہے۔

نیز درمختار میں ہے کہ جب اسلام پہنچنے کے بعد زبان پر قابو حاصل

ہو جائے تو ناجائز کلمات سے پرہیز ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتا ہے اس کو چاہئیے کہ یا تو زبان سے اچھی اور خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مصیبت کا دار و مدار گفتگو پر ہے۔

اندریں حالات حکومت پر لازم ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس قسم کی گفتگو پر ہے نازیبا گفتگو کرنے والے کینہ پرور شخص کو اس کے جرم کے مطابق سزا دی جائے تاکہ آئندہ کے لئے اس قسم کی جسارتوں کا دروازہ بند ہو جائے اور ایسے گستاخوں اور فسادیوں کو تنبیہ ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک ی ایسے لوگوں کا بدلہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں واللہ اعلم۔

دوسرا فتویٰ

از عالی قدر حضرت علامہ **احمد عبداللہ میرغنی** رحمۃ اللہ علیہ

مفتی احناف مکۃ المشرفہ زاداللہ شرفہا

دوسرا فتویٰ

از عالی قدر حضرت علامہ احمد عبداللہ میر غنی مفتی احناف مکۃ المشر فہ

زاد اللہ شر فہا تمام تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے لئے ہیں اور درود و رحمت ہو سیدنا محمد رسول اللہ پر اور آپ کی آلِ اطہار پر اور آپ کے اصحاب اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں پر۔

بعد ازاں اے اللہ میں تجھ سے درست راستے پر چلنے کی توفیق طلب کرتا ہوں۔

اے سائل اللہ تبارک وتعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ بے شک کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی نجات نہ ہونے پر اہل سنت و جماعت کا تفاق ہے اور وہ اس کے لئے کتاب وسنت کے ظواہر سے دلیل پکڑتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ عدمِ نجات ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اہل سنت و جماعت کا اتفاق واجماع ہے۔

مگر ان کا یہ دعویٰ غیر صحیح اور نادرست ہے کیونکہ میں نے اہل سنت و

جماعت کی کثیر تعداد کو اس کے برعکس پایا ہے اور وہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نجات کے قائل ہیں۔

ان علمائے اہل سنت و جماعت میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں امام قرطبی امام سبکی امام شعرانی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسا کہ سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے اور اس بحث کی طرف مراجعت کی یہ جو علامہ سحیمی کی کتاب شرح شرح عبد السلام اللقانی علی جوہرۃ التوحید میں نقل فرمائی ہے،

اور انہوں نے یہ تذکرہ شفاعت کی بحث میں قولِ ناظم اور مشفع کی شفاعت کے واجب ہونے کے ضمن میں کیا ہے۔

چنانچہ اس مقام پر یہ عبارت نقل کی گئی ہے کہ حضرت امام قرطبی امام سبکی امام شعرانی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابو طالب کو زندہ فرمایا اور وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور مسلمان ہو کر فوت ہوئے۔

علامہ سحیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا یہی عقیدہ ہے اور اپنے اسی عقیدہ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گا۔

امام ابن سعد اور امام بن عساکر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ کیا آپ ابو طالب رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے لئے پرامید ہیں؟ تو جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ہم اپنے پروردگار سے ان کے لئے ہر خیر اور بھلائی کی امید رکھتے ہیں۔

اور امام قرطبی امام سبکی اور امام شعرانی سب کے سب ایسے اکابر اہل سنت ہیں جن کے قول سے حجت پکڑی جاتی ہے اور یہی قدر و منزلت حضرت امام سحیمی کی ہے۔

چنانچہ ان شواہد کی روشنی میں اس شخص کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے جس نے یہ کہا ہے کہ عدمِ نجات ابوطلاب پر اہل سنت کا اتفاق ہے کیونکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اہل سنت میں ایسے لوگ موجود ہیں جو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نجات کے قائل ہیں اور جب کسی امر میں اختلاف پایا جاتا ہو وہاں احتیاط ضروری ہے اور ایسی بات کو اختیار کرنا لازم ہے جس سے اختلاف کم ہو سکے

اور ایسے معاملات میں زیادہ غور و خوض نہ کریں اور اور خوف کی وجہ سے بقدر ضرورت کم سے کم الفاظ میں بات کریں اور جیسا کہ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث وارد ہوئی ہیں کیونکہ احتیاط تقویٰ میں سے ہے اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تو اس بات کو چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے اور اس بات کو اختیار کر جو تجھے شک وشبہ میں نہ ڈالے۔

عتبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ایک ایسی عورت سے شادی کی ہے جس کے متعلق ایک سیاہ فام عورت نے گواہی دی ہے کہ اس نے ہم دونوں کو دودھ پلایا ہے حالانکہ وہ سیاہ فام عورت جھوٹی ہے آپ نے فرمایا کہ اس سیاہ فام عورت کو بلاؤ چنانچہ عتبہ اس عورت نے دوبارہ اپنی بات کو دہرایا اس کا بیان لے کر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربہ بن الحارث کو فرمایا کہ تو اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔

عتبہ کہتے ہیں میں نے عرضکیا کہ یارسول اللہ آپ اس سیاہ فام عورت کی بات تسلیم نہ کریں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس عورت کی گواہی قبول نہیں کرتا تو احتیاط اور تقویٰ کا راستہ اختیار کر۔

اب جب کہ اہل سنت کی ایک جماعت نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زندہ ہو کر ایمان لانے کی بات کہی ہے تو آپ کے متعلق احتیاط سے کام لینا چاہئے اور آپ کی تنقیص سے اجتناب کرنا چاہئیے۔

خصوصاً حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس قسم کی فحش عبارات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہنچتی ہے اس لئے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مربی تھے اور آپ کی پرورش کرنے والے تھے نیز ان کو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچی محبت تھی چنانچہ جب حضور رسالت مآب صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود کو آپ کی حفاظت وحمایت کے لئے کمر بستہ کر لیا،

علاوہ ازیں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بدگمانی کی باتیں آپ کے زندہ اور فوت شدہ قریبیوں کو اذیت پہنچانے کا باعث ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں "قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المورۃ فی القربیٰ" یعنی محبوب فرما دیجئے کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا صرف میرے قریبیوں سے محبت کرو۔

علامہ دیلمی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعاولیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مجھے میرے قریبیوں کی وجہ سے ایذاء پہنچائے گا اس پر غضب الٰہی بھڑ کے گا۔

امام طبرانی اور علامہ بیہقی نے روایت بیان کی ہے کہ ابولہب کی بیٹی سبیعہ جسے درہ بھی کہتے ہیں مسلمان ومہاجر ہو کر مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا میں آئی تو کسی نے اسے کہا کہ تو تو حمالۃ الحطب کی بیٹی ہے تجھے اس ہجرت سے کیا فائدہ ہوگا۔

سبیعہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں اس بات کی شکایت پیش کی تو آپ شدید غضب ناک ہو گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو مجھے میرے نسب اور میرے قریبیوں کی وجہ سے ایذاء دیتے ہیں یاد رکھو جس نے بھی میرے حسب ونسب اور اقربا کو

تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی۔

ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

طبرانی امام احمد اور ترمذی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زندہ لوگوں کو مردود کی وجہ سے اذیت نہ دو بلاشبہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خاص و عام مجالس اور بیوقوف لوگوں میں منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اولاد قبروں میں اذیت پہنچانا ہے نیز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تکلیف دینا ہے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

"والذین یؤذون رسول اللّٰہ لھم عذاب الیم"

یعنی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں ان کے لئے عذاب الیم ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے۔

ان الذین یؤذون اللّٰہ ورسولہ لعنھم اللّٰہ فی الدنیا

والآخرة وعده لهم عذابا مهينا.

یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب کی وعید ہے۔

گستاخ رسول واجب القتل ہے

یہ مقام حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کرنے والے کے لئے غور کرنے کا ہے کیونکہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانا کفر ہے۔

اگر اس کا مرتکب توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور مالکیوں کے نزدیک اگر توبہ بھی کرے تب بھی اسے قتل کر دیا جائے۔

میں ابھی آپ کے سامنے کچھ واقعات پیش کروں گا جن سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے کیسی محبت تھی۔

اور ان سے بغض رکھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینا ہے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ امام قرطبی امام سبکی امام شعرانی اور امام سحیمی نے جو موقف اختیار کیا ہے اس کی کوئی اہم وجہ ہے۔

حسن سلوک

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت اچھی طرح تربیت کی اور آپ کے ساتھ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر حسن سلوک کرتے تھے اس کی تفصیل بہت طویل ہے پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو مبعوث برسالت فرمایا اور قریش آپ کے در پے آزار ہو گئے تو ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں روکا اور فرمایا کہ میرے بھائی کا بیٹا میری پناہ میں ہے تو کفار ان کی اس حمایت کو ختم کر دینے میں کامیاب نہ ہو سکے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو علی الاعلان دعوت دینے لگے جب آپ کی دعوت پھیلنے لگی تو یہ بات انہیں نہایت گراں گزری تو وہ عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ گئے اور کہا کہ آپ اسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدلہ میں ہم سے لے کر اپنے بیٹے کی طرح اس کی پرورش کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اے گروہ قریش کیا تم نے یہ میرے ساتھ انصاف کیا ہے کہ میں تو تمہارے بیٹے کو لے کر اس کی پرورش کروں اور اپنے بیٹے کو تمہارے حوالے

کردوں کہ تم اسے قتل کردو پھر آپ نے یہ اشعار انشاء فرمائے۔

اعلان ایمان نہ کرنے میں حکمت

خدا کی قسم قریش اپنی اس جمعیت سمیت اس وقت تک ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے جب تک مجھے مٹی میں نہ دفن کردیا جائے۔

اے ابن اخی! اب آپ بے فکر ہوکر علی الاعلان دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع فرمائیں اور اس کام سے خوش ہوکر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں۔

آپ نے مجھے دعوت دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ بھی ہیں اور دعوت دینے میں امین بھی ہیں اگر مجھے لوگوں کے طعنوں کا ڈر نہ ہوتا تو آپ مجھے اس سلسلہ میں بڑا فراخ دل پاتے۔

خطبۂ نکاح

علاوہ ازیں جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا نکاح مبارک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی اس وقت خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا تھا جب کہ نکاح کی اس مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قبیلہ مضر کے کئی سردار بھی موجود تھے چنانچہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبے میں

فرمایا۔

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور مضر کی اصل سے پیدا فرمایا اور ہمیں اپنے گھر کا پاسبان ونگہبان مقرر فرمایا۔

ہمیں حرم شریف کی خدمت پر مامور کیا اور ہمارے لئے ایسا گھر مقرر فرمایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ہمیں عطا فرمائے گئے اس حرم کو امان کی جگہ بنا کر ہمیں لوگوں پر حاکم مقرر فرمایا۔ اور میرے بھائی کے یہ بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عالی قدر ہستی ہیں کہ شرافت ونجابت اور عقل وفضل میں کوئی بھی ان کا ہم پلہ نہیں اور جس کسی کا بھی ان کے ساتھ ان امور میں مواز نہ کرو گے یہ اس سے بڑھ جائیں گے۔

اگرچہ ان کے پاس دنیوی مال ودولت نہیں مگر مال ودولت تو ڈھلتی چھاؤں ہے جو زائل ہو جانے والی چیز ہے اور تم لوگ اس قرابت کو جانتے ہو جو مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے انہوں نے خدیجہ بنت خویلد کے لئے پیغام نکاح دیا ہے ان کا مہر مؤجل اور معجّل میں ادا کرتا ہوں اور خدا کی قسم میں ان کے لئے زبردست اور عظیم بشارت کی پیشگوئی کرتا ہوں۔

آپ نے سچ کہا ہے

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خطبہ ختم کیا تو سیدہ

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریر کی اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے کہا سب حمد و ستائش اس خدا تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں وہ سب کچھ بنایا ہے جس کا آپ نے اپنے خطبہ میں تذکرہ فرمایا ہے اور ان لوگوں پر ہمیں فضیلت عطا فرمائی ہے جن کا شمار آپ نے کیا ہے۔

بلاشبہ ہم عرب کے سردار اور سربراہ ہیں اور آپ ان تمام باتوں کے اہل ہیں اور عرب کا کوئی خاندان بھی آپ کی اس بزرگی اور فضیلت کا انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شخص آپ کے اس افتخار و شرف کو مسترد کر سکتا ہے ہم لوگوں نے آپ کے شرف کے ساتھ ناطہ جوڑنے کو پسند کیا ہے۔

چنانچہ عمرو بن اسد نے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے کہا اے گروہ قریش میں نے خدیجہ کا نکاح حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کو قبول فرمالیا۔

غور کرلیا کریں

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطبہ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو شان بیان کی ہے اور سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت مبارکہ سے پندرہ سال قبل خوبیاں مشاہدہ فرمائی تھیں ان پر

بھی تھوڑا سا غور کر لیجئے۔

امام بیہقی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا اور اس نے شدید قحط کی شکایت بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کی اور اس سلسلہ میں چند اشعار بھی پڑھے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی استدعا کو سنا تو آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیئے اور دعا کی ابھی آپ کے ہاتھ مبارک نیچے نہیں آئے تھے کہ آسمان پر برق و باراں کا اجتماع ہو گیا اور اس قدر شدید بارش ہوئی کہ لوگ غرق ہونے کے خوف سے شور مچاتے ہوئے آپ کی خدمت اقدس میں جمع ہونا شروع ہو گئے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو خندہ دندان تمام فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خوبی ہو ابو طالب کی اگر آج وہ زندہ ہوتے تو اس منظر کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور پھر آپ نے فرمایا کون ہے جو اس وقت ہمیں ان کے اشعار سنائے۔

حضور کی پسند

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ شائد حضرت ابو طالب رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار سننا چاہتے ہیں۔

وہ حسین اور گورے مکھڑے والے جن کے رخ انور کے صدقہ سے

بادل سیراب ہوتے ہیں وہ یتیموں کے فریاد رس اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں ہمارا مقصود یہی

اشعار تھے۔

یہ شعر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طویل قصیدہ کے

ہیں جسے آپ نے اس وقت انشاء فرمایا تھا جب آپ قریش کے مقابلہ میں

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے اس قصیدہ

مبارکہ میں سے مزید چند شعر یہ بھی ہیں۔

☆ ہم اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں کے

حوالے نہیں کریں گے جب تک ہم آپ کے گرداگرد گھیرا باندھ کر لڑتے

لڑتے قتل نہ ہو جائیں اور آپ کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی بیویوں اور

بیٹوں کو نہ بھول جائیں۔

☆ میری زندگی کی قسم! میں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی محبت کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اور آپ کو اس عاشق کی طرح چاہتا ہوں

جس کے عشق و محبت میں کوتاہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

☆ جب انصاف کرنے والے فیصلہ کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ لوگوں کی امیدوں کا مرکز اور کون ہوگا آپ حلیم الطبع

ہدایت یافتہ عقل منداور غصہ پر قابو پانے والے ہیں آپ جس اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں وہ کسی لحہ بھی ان سے غافل نہیں۔

☆لوگوں نے حقیقت میں اس امر کو جان لیا ہے کہ ہمارے بیٹے کی تکذیب نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی آپ فضول قسم کے لوگوں کی باتوں سے کچھ سروکار رکھتے ہیں۔

☆احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ایک ایسی ارفع شان اور عظیم اصل کے مالک ہیں جن کی عظمت کے سامنے اونچی دیوار بھی پست نظر آتی ہے۔

☆میں نے جان کی بازی لگا کر آپ کی حفاظت کی ہے اور اپنی اولاد اور دیگر بنو ہاشم کی جماعت سے ان کا دفاع کیا ہے بہرکیف یہ اشعار آپ کے اس طویل قصیدہ میں سے چند ایک ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش اور نعت ومنقبت پر مشتمل ہے۔

یہ وصیت دیکھئے

جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے قریش مکہ کو مخاطب کر کے یہ وصیت ارشاد فرمائی۔

یا معشر قریش تم خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ لوگ ہو اور عرب کا دل ہو تم یں وہ سردار موجود ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے اور تم میں وہ

ہدایت یافتہ عقل مند اور غصہ پر قابو پانے والے ہیں آپ جس اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں وہ کسی لمحہ بھی ان سے غافل نہیں۔

☆ لوگوں نے حقیقت میں اس امر کو جان لیا ہے کہ ہمارے بیٹے کی تکذیب نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی آپ فضول قسم کے لوگوں کی باتوں سے کچھ سروکار رکھتے ہیں۔

☆ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ایک ایسی ارفع شان اور عظیم اصل کے مالک ہیں جن کی عظمت کے سامنے اونچی دیوار بھی پست نظر آتی ہے۔

☆ میں نے جان کی بازی لگا کر آپ کی حفاظت کی ہے اور اپنی اولاد اور دیگر بنو ہاشم کی جماعت سے ان کا دفاع کیا ہے بہر کیف یہ اشعار آپ کے اس طویل قصیدہ میں سے چند ایک ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش اور نعت ومنقبت پر مشتمل ہے۔

یہ وصیت دیکھئے

جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے قریش مکہ کو مخاطب کر کے یہ وصیت ارشاد فرمائی۔

یا معشر قریش تم خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ لوگ ہو اور عرب کا دل ہو تم یں وہ سردار موجود ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے اور تم میں وہ

بہادر موجود ہیں جو شجاعت و سخاوت میں آگے ہی بڑھتے رہتے ہیں۔

تمہیں جاننا چاہئے کہ اہل عرب کا ایسا کوئی شرف و اکرام نہیں جو تمہیں نہ ملا ہو اور یہ تمہاری مخصوص فضیلت سے ہے کہ لوگ تمہارے وسیلہ کے محتاج ہیں۔

اور اب لوگوں نے اجتماعی طور پر تمہارے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے لہٰذا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس گھر یعنی بیت اللہ شریف کی تعظیم اور اکرام کرو اس چیز میں ہی رضائے پروردگار ہے اور اس میں ہی تمہارے روزگار کی وسعت اور ثابت قدمی کا راز مضمر ہے صلہ رحمی کرو کیونکہ صلہ رحمی کرنے سے عمر میں زیادتی اور عددی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔

موت اور حیات کا شرف اور عظمت ہے سچائی اور صداقت کی گفتگو کو اپنا شعار بناؤ اور لوگوں کی امانتیں واپس کرو کیونکہ یہ دونوں چیزیں خاص محبت اور عام بزرگی کی آئینہ دار ہیں اور میں تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیر اور بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ قریش میں امین اور عرب میں سب سے زیادہ سچے ہیں اور ہی ان تمام صفات کے جامع ہیں جن کا ذکر میں نے تمہارے ساتھ منسوب کر کے اپنی وصیت میں کیا ہے۔

اور جو کچھ یہ احکام لے کر تشریف لائے ہیں اگرچہ انہیں دل نے قبول کر لیا ہے مگر ان کے دشمنوں کے خوف سے زبان پر نہیں لا سکتا۔

خدا کی قسم مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ

رہاں ہوں کہ عرب میں رہنے والے اور اطراف و جوانب کے رہنے والے ضعیف و کمزور لوگ ان کی دعوت الی الحق کو تسلیم کر چکے ہیں اور ان کے احکام کی عظمت و رفعت کو بلند تر کر رہے ہیں اور ان سے وابستہ ہونے والے ضعفا و مسکین لوگوں کے سامے صنادید قریش کی گردنیں خم ہو رہی ہیں گویا کمزور لوگ طاقت ور اور بلند ہو رہے ہیں اور ان روسا کے گھر بر بار ہو رہے ہیں۔

اور جب میں نگاہِ بصیرت سے کفار کے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھتا ہوں تو وہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے محتاج نظر آتے ہیں اور وہ لوگ صاحب اقتدار بن کر ابھر رہے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں ! کہ دور رہنے والے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تر ہو کر عربوں کی قیادت اور عزت و وقار حاصل کر رہے ہیں اور قریب رہنے والے محرومی اور نامرادی کا شکار ہو رہے ہیں،

ایک روایت میں یہ جملہ اس طرح ہے کہ یہ تمہارے باپ کے بیٹے ہیں ان کا ساتھ اور ان کی جماعت کی حمایت و نصرت کرو۔

خدا کی قسم ! ان کا طریقہ اپنانے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ایک بھی نہیں رہے گا جسے رشد و ہدایت کی دولت نہ نصیب ہو۔

اور کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جو ان کی اطاعت و فرماں برداری کرے اور اسے سعادت نہ ملے یعنی ان کی اتباع کرنے والے رشید اور سعید ہو جائیں گے۔

کاش! مجھے موت سے مزید کچھ مہلت مل جاتی اور میری اجل میں تاخیر ہو جاتی تو میں ان سے تمام مشکلات و مصائب کو دور کر دیتا۔

دیکھو اور غور کرو

ان تمام امور پر نظر رکھتے ہوئے غور کریں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فراست و بصیرت سے اس وقت جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا وہ کس طرح ایک زندہ حقیقت بن کر وقوع پذیر ہو کر رہے۔

بہر حال! حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ابن اخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث بیان کی ہے کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے صلہ رحمی کرنے زکوٰۃ ادا کرنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے اور ان امور کا حکم دینے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔

تاجدارِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری حدیث حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ شکر کرو اس سے رزق حاصل ہوگا اور ناشکری نہ کرو اس سے تکالیف پہنچتی ہیں۔

علاوہ ازیں! جب سیدنا ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا تو کفار قریش نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مظالم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے اور آپ کو اس قسم کی شدید اذیتیں دیں جن کا تصور

بھی آپ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارکہ کے زمانہ میں نہیں کیا تھا حتیٰ کہ ایک روز قریش کے بعض جہلا و سفہاء نے آپ کے سر انور پر مٹی ڈال دی تو آپ نے بے قرار ہو کر فرمایا قریشیوں نے اس قسم کی مکر وتکلیفیں مجھے اس وقت تک نہیں پہنچائیں جب تک میرے چچا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقید حیات رہے۔

اور پھر جب حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ قریش کے مظالم نے آپ پر یورش کر دی ہے تو آپ عالم تصور میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا چچا جان آپ کی موت کے بعد مجھے کس تیزی سے دکھ پہنچنے شروع ہو گئے ہیں۔

چونکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وصال مبارک یکے بعد دیگرے ایک ہی سال میں ہوا تھا اس لئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کا نام ہی عام الحزن یعنی غم کا سال رکھ دیا،

یہ طویل گفتگو کیوں؟

میں نے یہ طویل گفتگو اس لئے کی ہے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رسول کریم علیہ تحیۃ والتسلیم کی آپس میں کس قدر شدید محبت تھی اور اس کے ساتھ ہی آپ کو یہ بھی معلوم ہو

جائے کہ جلیل القدر آئمہ کرام حضرت امام قرطبی حضرت امام سبکی حضرت امام شعرانی اور حضرت امام سحیمی رضی اللہ عنہم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کیا فرما رکھا ہے۔

چنانچہ اس کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ یہ آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زندہ کیا اور وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور اس قول کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت امام سحیمی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا یہی عقیدہ ہے اور اسی عقیدہ کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ملاقات کروں گا انشاء اللہ العزیز۔

چنانچہ میں خود بھی امام سحیمی کی اتباع کرتے ہوئے واضح طور پر کہتا ہوں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق میرا بھی یہی اعتقاد ہے اور اسی اعتقاد کے ساتھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملوں گا اور یہی عقیدہ ہر اس شخص کا ہونا چاہیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کے قریبیوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

ان تمام امور کی وضاحت کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جو چاہے ہماری اس بات کو قبول کرلے اور جو چاہے انکار کردے۔

اس فتویٰ کے آخر پر حضرت علامہ احمد بن عبداللہ میر غنی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی احناف مکۃ المشرفۃ زاد اللہ اکرامہا حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے

ارشاد فرماتے ہیں کہ،

اللہ تبارک وتعالیٰ حکمرانوں کے ذریعہ سے اصولِ دین کو قائم فرمائے ان پر لازم ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق شرانگیز پراپیگنڈہ کرنے والے جہلا کو زجرو توبیخ کریں اور ان کے خلاف تادیبی کاروائی کرتے ہوئے سخت احکام جاری کریں تاکہ اس قسم کی باتوں کا سلسلہ ختم ہو جائے جو بڑے بڑے فتنوں کو جنم دینے کا سبب بنتی ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆☆☆

قاضی دحلان مکی رضی اللہ عنہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد

0321.4926515

قاضی دحلان مکی رضی اللہ عنہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد

0321.4926515
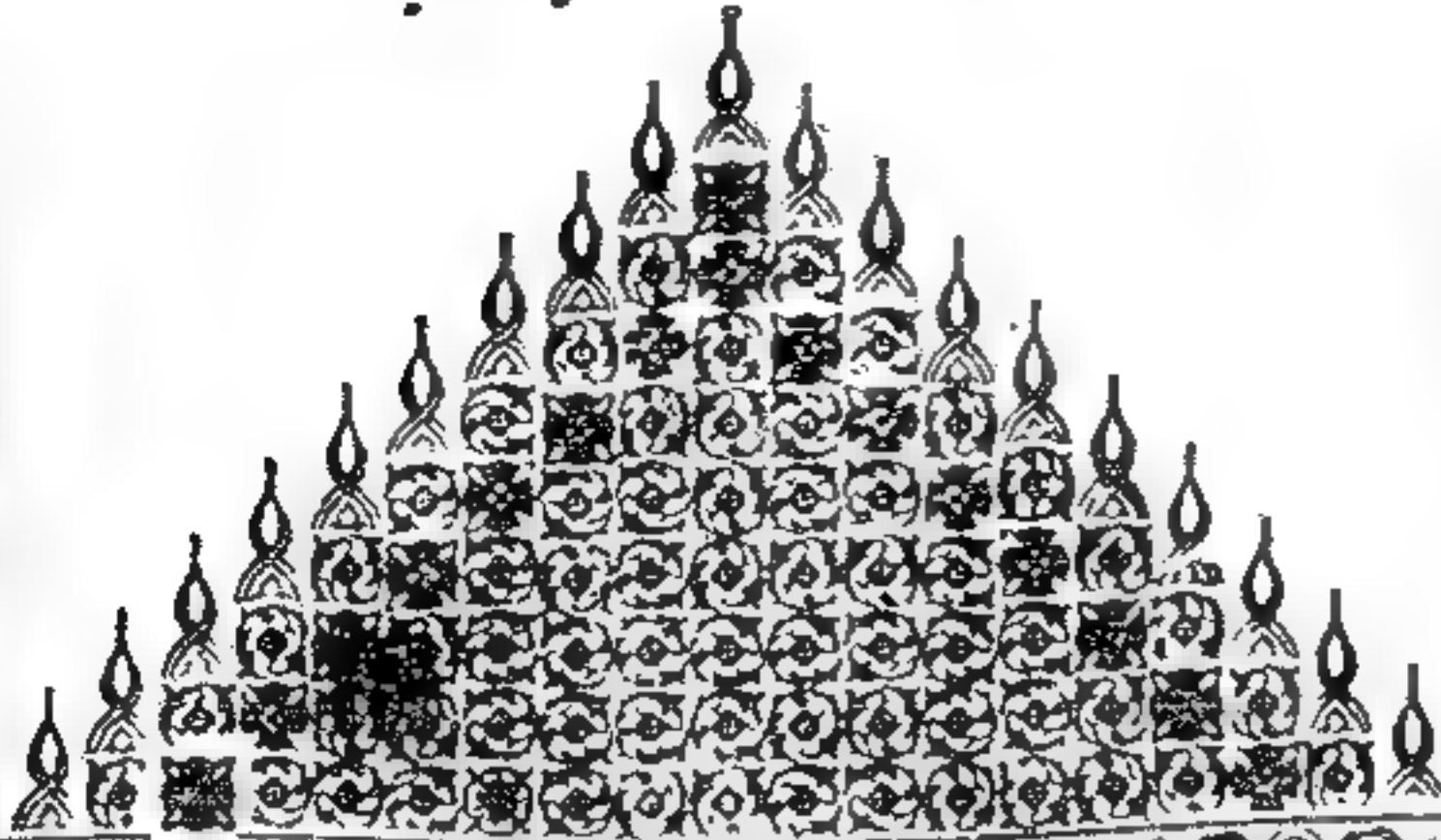
الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانام وعلى آله وصحبه اجمعين اما بعد

فيقول العبد الفقير خادم طلبة العلم بالمسجد الحرام كثير الذنوب والآثام المرتجي رحمة والغفران احمد بن زيني دحلان قد وقفت

على تاليف جليل للعلامة النبيل والفهامة الشهير مولانا محمد بن رسول البرزنجي المتوفى سنة الف ومائة وثلاثة في نجاة ابوي النبي

صلى الله عليه وآله وسلم وذيل في آخره بخاتمة في نجاة ابي طالب عم النبي صلى الله عليه وسلم فاثبت نجاته واقام دلائل على ذلك و

براهين من الكتاب والسنة واقوال العلماء يحصل لمن تاملها يقين مع معان صحيحة للنصوص التي تقتضي خلاف ذلك حتى

صارت جميع النصوص صريحة في نجاته وسلك في ذلك مسلكا ما سبقه اليه احد بحيث ينقاد للادلة كل من انكر نجاته وجمع كل

دليل استدل به القائلون بعدم نجاته فنقضه عليهم وجعله دليلا لنجاته وتتبع كل شبهة تمسك بها

القائلون بعدم النجاة … وازال ما انبنى عليها … واقام دليلا على دعواه وكان في بعض تلك

المباحث مواضع دقيقة لا يفهمها الا الفحول من العلماء ويعسر فهمها على القاصرين من

طلبة العلم وبعض تلك المباحث زائدة عن اثبات المطلوب ذكرها تقوية لما ادعاه وكشفا

لحجاب كل محجوب فاردت ان الخص في هذه الوريقات المقاصد التي اثبت بها نجاة ابي طالب

ليكون من عرفها في كل محفل هو الغالب واجتهدت في تسهيل عبارة تلك المباحث الدقيقة

حسب الامكان وحذفت ما كان زائدا عما هو المقصود بالبيان وزدت كلاما يتعلق بذلك

وجدته في المواهب اللدنية والسيرة الحلبية له مناسبة بهذه القضية نافع جدا في

تحصيل المراد نافعا ان شاء الله كل من وقف عليه من العباد وسميت هذا المؤلف اسنى

المطالب في نجاة ابي طالب واسال الله تعالى الاعانة والتوفيق والاخلاص والقبول

وحسن الختام بجاه سيدنا محمد نبيه وعلى آله وصحبه افضل الصلاة واتم السلام (فاقول) ان

العلامة البرزنجي أثبت أولا حصول الايمان لأبي طالب بالحجج والبراهين ثم أثبت له النجاة وخرج ذلك على أرجح الأقوال عند المحققين * أما اثبات الايمان فانه يتوقف أولا على معرفة معنى الايمان ومعناه شرعا التصديق القلبي بوحدانية الله تعالى ورسالة النبي صلى الله عليه وسلم والتصديق بكل ما جاء به عن الله تعالى وأما الاسلام شرعا فهو الانقياد بالاعمال الظاهرة الشرعية ويدل لهذا قوله صلى الله عليه وسلم الاسلام علانية والايمان في القلب فقد يجتمعان في المصدق بقلبه المقر بالشهادتين وينفرد الاسلام عن الايمان في المنافق الذي ينطق بالشهادتين وينقاد [illegible] غير مصدق وينفرد الايمان عن الاسلام فيمن يصدق بقلبه ولا ينطق بالشهادتين عنادا ولا ينقاد للاعمال الظاهرة الشرعية وذلك لكثير من علماء اليهود الذين عرفوا أن سيدنا محمدا صلى الله عليه وسلم رسول صادق ولم ينطقوا بالشهادتين ولم يتبعوه ولم ينقادوا لما جاء به وقد قال الله تعالى فيهم يعرفونه كما يعرفون ابناءهم فهم لم يقروا برسالته عنادا ولكنهم يعتقدون في قلوبهم صدقه في دعوى الرسالة فهؤلاء مؤمنون به في الباطن مكذبون به في الظاهر عنادا فلا ينفعهم الايمان الباطني حيث كان تكذيبهم الظاهري عنادا واما اذا كان عدم الانقياد الظاهري وعدم النطق بالشهادتين لعذر لا لعناد فان الايمان الباطني ينفع صاحبه باطنا عند الله في الدار الآخرة ولكنه في الظاهر يعامل معاملة الكفار فيقال انه كافر بحسب احكام الدنيا والعذر الذي يمنع من الانقياد في الظاهر له اسباب منها الخوف من ظالم بان خاف ان اظهر اسلامه وانقياده ان يقتله او يؤذيه أذى لا يحتمل او يؤذي احدا من اولاده او اقاربه فهذا يجوز له اخفاء اسلامه بل لو اكرهه الظالم على التلفظ بالكفر فانه يجوز له ان يتلفظ به وقد اشار سبحانه وتعالى الى هذا بقوله الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من ربهم ولهم عذاب عظيم ومن هذا القبيل امتناع ابي طالب من الانقياد في الظاهر فانه [illegible] سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم فانه كان يحميه وينصره ويدفع عنه كل أذى وكان كفار قريش يمتنعون من ايذاء النبي صلى الله عليه وسلم رعاية لابي طالب وكانت رياسة قريش بعد عبد المطلب لأبي طالب فكان أمره فيهم نافذا وحمايته عندهم مقبولة لعلمهم بان أبا طالب على ملتهم ودينهم ولو علموا انه أسلم وتبع النبي صلى الله عليه وسلم لم يقبلوا حمايته ونصره بل كانوا يقاتلونه ويؤذونه ويفعلون معه من الاذى أكثر مما يفعلونه بالنبي صلى الله عليه وسلم ولا شك ان هذا عذر قوي لأبي طالب مانع من اظهار الانقياد واظهار الاتباع للنبي صلى الله عليه وسلم فلهذا كان يظهر لهم انه على دينهم وملتهم وانه انما يدفع عن النبي صلى الله عليه وسلم لاجل القرابة التي بينه وبينه وكانوا يعتقدون انه انما يحميه وينصره للحمية لا للاتباع في الدين بل للحمية التي كانت مشهورة بين العرب وقد كان في الباطن قلبه مملوأ بتصديقه صلى الله عليه وسلم لما شاهده من المعجزات كما سيأتي ايضاح ذلك كله وكان يأتي في الظاهر بألفاظ تدل على ذلك وبألفاظ أخرى يوهمهم بها على الكفار انه على دينهم وليس متابعا للنبي صلى الله عليه وسلم ليدفع بها عن نفسه الشبهة والتهمة من انه متبع للنبي صلى الله عليه وسلم ليتمكن من حمايته ونصره (ثم ذكر البرزنجي) اختلاف العلماء في النطق بالشهادتين هل هو شطر أي جزء من مسمى الايمان أو شرط لاجراء الاحكام الدنيوية فيترتب

على كونه شطرا أي جزأ ان تارك ذلك مع القدرة يكون كافرا مخلدا في النار وعلى كونه شرطا
لاجراء الاحكام الدنيوية يكون غير مخلد فقال قال الصفاقسي في شرح التمهيد ان كون الايمان
هو التصديق فقط هو الرواية الصحيحة عن الامام أبي حنيفة رضي الله عنه (وقال) العلامة
العيني في شرح البخاري ان الاقرار باللسان شرط لاجراء الاحكام حتى ان من صدق الرسول في
جميع ما جاء به فهو مؤمن فيما بينه وبين الله تعالى وان لم يقر بلسانه (وقال حافظ الدين النسفي)
ان ذلك هو المروي عن أبي حنيفة واليه ذهب الامام أبو الحسن الاشعري في أصح الروايتين
عنه وهو قول أبي منصور الماتريدي (وقال) الامام عضد الدين في المواقف الايمان عندنا
هو التصديق للرسول فيما علم مجيئه به ضرورة (قال) شارحه السيد الشريف يعني بقوله عندنا
اتباع الامام أبي الحسن الاشعري وقد قرر الغزالي رحمه الله هذا المذهب في احياء علوم
الدين وأطال فيه وهو قول امام الحرمين وقول الاشاعرة وقول القاضي الباقلاني والاستاذ
أبي اسحاق الاسفرايني ونسبه التفتازاني الى جمهور المحققين واستدل له بأحاديث منها قوله
صلى الله عليه وسلم من علم ان الله ربه واني نبيه صادقا من قلبه حرم الله لحمه على النار رواه
الطبراني في الكبير عن عمران بن حصين (وروى) البخاري ومسلم عن عثمان بن عفان أن رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال من مات وهو يعلم أن لا اله الا الله دخل الجنة (وروى) الطبراني عن
سلمة بن نعيم الاشجعي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لقي الله لا يشرك
به شيئا دخل الجنة قال قلت يا رسول الله وان زنى وان سرق قال وان زنى وان سرق (قال) وفي
احاديث الشفاعة من هذا شيء كثير حتى يقال له صلى الله عليه وسلم اخرج من النار من في قلبه
أدنى أدنى أدنى من مثقال حبة خردل من ايمان بتكرير أدنى ثلاث مرات (وعقد البرزنجي)
فصلا مستقلا ذكر فيه كثيرا من تلك الاحاديث وكلها دالة على ان من كان في قلبه أدنى أدنى أدنى
مثقال حبة من ايمان لا يخلد في النار (ونقل) التفتازاني في شرح المقاصد والكمال بن الهمام
في المسايرة وابن حجر في شرح الاربعين ان شرط النجاة في الآخرة اذا لم يطالب به أي النطق
بالشهادتين فاذا طولب به وامتنع عنادا أو كراهة للاسلام أي امتنع امتناعا على وجه الاباء عن
الاسلام والكراهية والعناد فلا ينجو ويفهم من هذا القيد انه لو ترك النطق بعد المطالبة
لا اباء عنه ولا عناد بل لعذر صحيح وقلبه مطمئن بالايمان انه لا يكون كافرا فيما بينه وبين الله
تعالى بل لو تكلم بالكفر والحالة هذه لا يضره قال تعالى الا من أكره وقلبه مطمئن بالايمان
فهذه النصوص كلها تدل على ان الايمان هو التصديق فقط ويقابلها القول بان التصديق
وحده لا يكفي بل لا بد من النطق باللسان مع التصديق فمن لم ينطق مع قدرته كان مخلدا في النار
وقال بهذا كثيرون (ونقل) النووي في شرح مسلم اتفاق أهل السنة من المحدثين والفقهاء
والمتكلمين على هذا القول واعترضوا عليه في حكاية الاتفاق (قال ابن حجر) في شرح
الاربعين لن الكل من الائمة الاربعة قولا بانه مؤمن عاص بترك التلفظ بل الذي عليه جمهور
الاشاعرة وبعض محققي الحنفية كما قال المحقق الكمال بن الهمام وغيره ان الاقرار باللسان
انما هو شرط لاجراء احكام الدنيا فحسب انتهى ثم ذكر اختلاف العلماء في انه هل يشترط بلفظ
الشهادتين بلفظهما المعروف أو يكفي الاتيان بغير المعروف مما يدل على الايمان وذكر فيه
قولين للعلماء فقيل انه يشترط اللفظ المعروف ولا يكفي غيره والراجح انه لا يشترط خصوص اللفظ

قول بعض العلماء فقيل انه يشترط اللفظ المعروف ولا يكفي غيره والراجح انه لا يشترط خصوص اللفظ المعروف وان الايمان ينعقد بغير اللفظ المعروف (وعبارة البرزنجي) ثم ليعلم ان المراد بالنطق بالشهادتين ليس النطق بخصوصهما خلافا للغزالي كما ذكر ذلك النووي في الروضة ونسبه الى الجمهور فقد نقل عن الحليمي في منهاجه انه لا خلاف ان الايمان ينعقد بغير القول المعروف وهو كلمة لا اله الا الله حتى لو قال لا اله غير الله او ما عدا الله او سوى الله او ما من اله الا الله او لا اله الا الرحمن او الرحمن الا الله او لا اله الا البارئ فهو كقوله لا اله الا الله وكما لو قال محمد نبي الله او مبعوثه او احمد او ماذ او غير ذلك او ما يؤدي ذلك باللغات العجمية صح اسلامه وحكم بكونه مسلما (ثم قال البرزنجي) اذا علمت ذلك فنقول تواترت الاخبار ان ابا طالب كان يحب النبي صلى الله عليه وسلم ويحوطه وينصره ويعينه على تبليغ دينه ويصدقه فيما يقوله ويأمر اولاده كجعفر وعلي باتباعه ونصرته وكان يحرضه في اشعاره بايمانه على تصديقه وكان ينطق بان دينه حق نظما كهذا المعروف

ولقد علمت بان دين محمد من خير اديان البرية دينا

(ومن شعره قوله)

الم تعلموا انا وجدنا محمدا رسولا كموسى خط في اول الكتب

وقد اوصى قريشا عند موته وقال والله لكأني بمحمد وقد محضت وداده العرب وانتم فلتستقم اليه سادة العرب فكونوا اسعد به منكم وهذه الوصية تكفي دليلا على ايمانه وتصديقه (قال في السيرة الحلبية) واوصى قريشا عند قرب موته بوصية طويلة ولفظها يا معشر قريش انتم صفوة الله من خلقه وانتم قلب العرب وفيكم السيد المطاع والمقدام الشجاع والواسع الباع واعلموا انكم لم تتركوا للعرب في المآثر نصيبا الا احرزتموه ولا شرفا الا ادركتموه فلكم بذلك على الناس الفضيلة ولهم به اليكم الوسيلة والناس لكم حرب وعلى حربكم الب واني اوصيكم بتعظيم هذه البنية يعني الكعبة فان فيها مرضاة للرب وقواما للمعاش وثباتا للوطأة وصلوا ارحامكم فان في صلة الرحم منسأة في الاجل وزيادة في العدد واتركوا البغي والعقوق ففيهما هلكت القرون قبلكم واجيبوا الداعي واعطوا السائل فان فيهما شرف الحياة والممات وعليكم بصدق الحديث واداء الامانة فان فيهما محبة في الخاص ومكرمة في العام واني اوصيكم بمحمد خيرا فانه الامين في قريش والصديق في العرب وهو الجامع لكل ما اوصيتكم به وقد جاءنا بامر قبله الجنان وانكره اللسان مخافة الشنآن وايم الله كأني انظر الى صعاليك العرب واهل الاطراف والمستضعفين من الناس قد اجابوا دعوته وصدقوا كلمته وعظموا امره فخاض بهم غمرات الموت فصارت رؤساء قريش وصناديدها اذنابا ودورها خرابا وضعفاؤها اربابا واذا اعظمهم عليه احوجهم اليه وابعدهم منه احظاهم عنده قد محضته العرب ودادها واعطته قيادها يا معشر قريش كونوا له ولاة ولحزبه حماة والله لا يسلك احد سبيله الا رشد ولا ياخذ احد بهديه الا سعد ولو كان لنفسي مدة ولاجلي تاخير لكففت عنه الهزاهز ولدفعت عنه الدواهي (فانظر وتعجب) الى هذه الوصية كيف وقع جميع ما قاله ابو طالب بطريق الفراسة الصادقة الدالة على تصديقه النبي صلى الله عليه وسلم (وقال لهم مرة) لن تزالوا بخير ما سمعتم من محمد وما اتبعتم امره فاطيعوه ترشدوا (وقد تقدم)

أبو طالب بنبوة النبي قبل أن يبعث صلى الله عليه وسلم لأنه ذكر ذلك في الخطبة التي خطبها
حين تزوج صلى الله عليه وسلم بخديجة رضي الله عنها فقال في خطبته تلك الحمد لله الذي جعلنا من
ذرية إبراهيم وزرع إسمعيل وضئضئ معد وعنصر مضر وجعلنا حضنة بيته وسواس حرمه
وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحكام على الناس ثم إن ابن أخي هذا محمد بن عبد الله
لا يوزن برجل إلا رجح شرفا ونبلا وفضلا وعقلا وهو والله بعد هذا له نبأ عظيم وخطر جسيم
وكان هذا قبل بعثته صلى الله عليه وسلم بخمس عشرة سنة (فانظر) كيف تفرس فيه أبو طالب
كل خير قبل بعثته صلى الله عليه وسلم فكان الأمر كما قال وذلك من أقوى الدلائل على إيمانه
وتصديقه بالنبي صلى الله عليه وسلم حين بعثه الله تعالى (وروى) البخاري في تاريخه عن
عقيل بن أبي طالب رضي الله عنه أن قريشا قالت لأبي طالب إن ابن أخيك هذا قد آذانا فقال
للنبي صلى الله عليه وسلم إن بني عمك هؤلاء زعموا أنك تؤذيهم فقال لو وضعتم الشمس في يميني
والقمر في شمالي على أن أترك هذا الأمر حتى يظهره الله أو أهلك فيه ما تركته ثم استعبر رسول
الله صلى الله عليه وسلم باكيا فقال أبو طالب يا ابن أخي قل ما أحببت فوالله لا أسلمك لهم أبدا وقال
لقريش والله ما كذب ابن أخي قط (فانظر) إلى نفي الكذب عنه بالحلف بحضور خصمائه
قريش وقد جاؤا يشكون إليه (وانظر) إلى قوله زعموا أنك تؤذيهم حيث لم يطلق القول بأنه
يؤذيهم بل جعل ذلك أذى باعتبار زعمهم لأنهم يزعمون أنه من قبل نفسه وليس من عند الله
فقال إن كان أذى أي كما زعموا فإنه ليس من أذاهم فحاشاه إنه من عند الله يقين كما أنكم على
يقين من رؤية هذه الشمس صدقه ونفي عنه الكذب وقال والله ما كذب ابن أخي قط (وقد)
روى أبو طالب أحاديث عن النبي صلى الله عليه وسلم وكلمات تدل على إيمانه وامتلاء قلبه من
التوحيد (فمن ذلك) ما رواه الخطيب البغدادي بإسناده إلى جعفر الصادق عن أبيه محمد الباقر
عن أبيه زين العابدين عن أبيه الحسين عن أبيه علي بن أبي طالب قال سمعت أبا طالب يقول
حدثني محمد ابن أخي وكان والله صدوقا قال قلت له بم بعثت يا محمد قال بصلة الأرحام وإقامة
الصلاة وإيتاء الزكاة والمراد من الصلاة ركعتان قبل طلوع الشمس وركعتان قبل غروبها
كانتا في أوائل الإسلام أو المراد صلاة التهجد فإنه صلى الله عليه وسلم كان يفعله من أول بعثته
ولا يصح حمل الصلاة على الصلوات الخمس لأنها إنما فرضت ليلة الإسراء وكان ذلك بعد موت
أبي طالب بنحو سنة ونصف وكان موت أبي طالب في النصف من شوال في السنة العاشرة من
البعثة وعمره بضع وثمانون سنة والمراد من الزكاة مطلق الصدقة وإكرام الضيف وحمل
الكل ونحو ذلك من الصدقات المالية ومثل هذه الأشياء كان أبو طالب أمها ومعدنها وليس
المراد الزكاة الشرعية المعروفة ولا زكاة الفطر لأن ذلك إنما فرض بعد الهجرة في المدينة
وكل ذلك كان بعد موت أبي طالب (وأخرج) الخطيب أيضا بسنده إلى أبي رافع مولى أم هانئ
بنت أبي طالب أنه سمع أبا طالب يقول حدثني محمد ابن أخي أن الله أمره بصلة الأرحام وأن يعبد
الله لا يعبد معه أحدا قال ومحمد عندي الصدوق الأمين (وقال) أيضا سمعت ابن أخي يقول اشكر
ترزق ولا تكفر تعذب (وأخرج) ابن سعد والخطيب وابن عساكر عن عمرو بن سعيد أن أبا
طالب قال كنت بذي المجاز مع ابن أخي فأدركني العطش فشكوت إليه ولا أرى عنده شيئا
قال فثنى وركه ثم نزل فأهوى بعقبه إلى الأرض فإذا بالماء فقال اشرب يا عم فشربت (قال

ما فاز ابو طالب بطريق الفراسة الصادقة الدالة على تصديقه النبي صلى الله عليه وسلم (قال البرزنجي) فلو لم يكن موجوداً الا [illegible]، فهذا
الماء الذي نبع للنبي صلى الله عليه وسلم الذي هو افضل من ماء الكوثر ومن ماء زمزم (وقال البرزنجي) الذي يرى مثل هذه المعجزة كيف
لا يقع التصديق في قلبه وقد كثرت القرائن الدالة على التصديق (واخرج) ابن عدي عن انس بن مالك رضي الله عنه قال مرض
ابو طالب فعاده النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا ابن اخي ادع الله ان يعافيني فقال اللهم اشف عمي فقام كانما نشط من عقال
(واخرج) ابو نعيم من طريق ابي بكر ابن عبد الله بن الجهم عن ابيه عن جده قال سمعت ابا طالب يحدث عن عبد المطلب انه رأى
في منامه ان شجرة نبتت من ظهره قد نال رأسها السماء وضربت اغصانها المشرق والمغرب وما رأيت نوراً ازهر منها اعظم من
نور الشمس سبعين ضعفا ورأيت العرب والعجم ساجدين لها وهي تزداد كل ساعة عظماً ونوراً وارتفاعاً ساعة تخفى وساعة تظهر ورأيت
رهطا من قريش قد تعلقوا باغصانها وقوما من قريش يريدون قطعها فاذا دنوا منها اخذهم شاب لم ار قط احسن منه وجها ولا اطيب و
يحا فيكسر اظهرهم ويقلع اعينهم فرفعت يدي لاتناول نصيبا فلم انل فقلت لمن النصيب فقال النصيب لهؤلاء الذين تعلقوا بها
فانتبهت مذعوراً فأتيت كاهنة لقريش فاخبرتها فرأيت وجه الكاهنة قد تغير ثم قالت لئن صدقت رؤياك ليخرجن من صلبك و
رجل يملك المشرق والمغرب ويدين له الناس فقال عبد المطلب لابي طالب لعلك ان تكون هو المولود فكان ابو طالب يحدث بهذا
الحديث والنبي صلى الله عليه وسلم قد بعث ويقول كانت الشجرة والله ابا القاسم الامين فيقال له الا تؤمن فيقول السبة والعار وانما كان
يقولون ذلك تعمية وتستراً لقريش اذ كل منهم ليتم له نصرة النبي صلى الله عليه وسلم وحمايته لانهم حيث علموا انه معهم وعلى دينهم
يقبلون حمايته بخلاف ما لو اظهر لهم مخالفتهم واتباعه النبي صلى الله عليه وسلم فهذا هو العذر له في قوله السبة والعار وفي بقائه ظاهراً
على دينهم (واخرج) ابن سعد عن عبد الله بن ثعلبة بن صعير العذري ان ابا طالب لما حضرته الوفاة دعا بني عبد المطلب فقال لن
تزالوا بخير ما سمعتم من محمد وما اتبعتم امره فاتبعوه واعينوه ترشدوا (قال البرزنجي) قلت بعيد جدا ان يعرف ان الرشاد في اتباعه
ويأمر غيره ثم يتركه هو (وروى) الحافظ ابن حجر في الاصابة عن علي رضي الله عنه انه لما اسلم قال له ابو طالب الزم ابن عمك
(واخرج) ايضا عن عمران بن حصين رضي الله عنهما ان ابا طالب قال لابنه جعفر صل جناح ابن عمك فصلى جعفر مع النبي صلى
الله عليه وسلم كما صلى علي رضي الله عنه (قال البرزنجي) فلولا انه مصدق بدينه لما رضي لابنيه ان يكونا معه وان يصليا معه
بل ولما كان يأمرهما بالصلاة فان عداوة الدين اشد العداوات كما قيل

كل العداوات قد ترجى اماتتها   الا عداوة من عاداك في الدين

فهذه الاخبار كلها صريحة في ان قلبه طافح ومحشي بالايمان بالنبي صلى الله عليه وسلم (ومن ذلك) ايضا ان
ابا طالب سافر الى الشام وكان عمر النبي صلى الله عليه وسلم اذ ذاك تسع سنين فصحبه معه فرآه بحيرا الراهب لفتح
الباب ورأى فيه علامات النبوة فاخبر عمه ابا طالب وامره بارجاعه الى مكة خوفا عليه من اليهود فرده الى مكة
(ومن ذلك) ايضا ما شاهده ابو طالب في زمن عبد المطلب من استسقائه بالنبي صلى الله عليه وسلم فقد روى الخطابي
ان قريشا تتابعت عليهم سنو جدب في حياة عبد المطلب فارتقى هو ومن حضر معه من قريش ابا قبيس [illegible]

ركن البيت فقام عبد المطلب واعتضد النبي صلى الله عليه وسلم فرفعه على عاتقه وهو يومئذ غلام ثم دعا فسقوا في الحال (واستسقى) به أبو طالب أيضاً بعد وفاة عبد المطلب حين أصاب أهل مكة قحط شديد فقالوا يا أبا طالب قد أقحط الوادي وأجدب العيال فهلم فاستسق فخرج أبو طالب ومعه النبي صلى الله عليه وسلم وهو غلام فأخذه أبو طالب فألصقه بالكعبة ولاذ الغلام أي أشار بإصبعه إلى السماء كالمتضرع وما في السماء قزعة فأقبل السحاب من ههنا وههنا وأمطرت السماء وانفجر الوادي وكثر قطره وأخصب النادي والبادي وفي هذه يقول أبو طالب بعد بعثة النبي صلى الله عليه وسلم يذكر قريشاً بيده صلى الله عليه وسلم وبركته عليهم من صغره

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه • ثمال اليتامى عصمة للأرامل
يلوذ به الهلاك من آل هاشم • فهم عنده في نعمة وفواضل

فهذه الآثار والأخبار كلها صريحة في أن أبا طالب رأى من الآيات والمعجزات وخوارق العادات التي ظهرت للنبي صلى الله عليه وسلم ما أوجب أن يصدقه ويؤمن به إيماناً لا شك فيه ولا تردد (ورأى) أبو طالب أيضاً للنبي صلى الله عليه وسلم آيات وخوارق عادات في صغره غير هذه وذلك أن أبا طالب كان قليل المال وكان ذا عيال فكان عياله إذا أكلوا وحدهم جميعاً أو فرادى لم يشبعوا وإذا أكل معهم النبي صلى الله عليه وسلم شبعوا فكان أبو طالب إذا أراد أن يغديهم أو يعشيهم يقول لهم أنتم كما أنتم حتى يأتي ابني فيأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فيأكل معهم فيشبعون فيفضلون من طعامهم وإذا كان طعامهم لبناً شرب رسول الله صلى الله عليه وسلم أولهم ثم تناول العيال القعب أي القدح من الخشب فيشربون منه فيروون من عند آخرهم أي جميعهم من القعب وإن كان أحدهم وحده يشرب قعباً واحداً وحده فيقول أبو طالب

للنبي صلى الله عليه وسلم إنك لمبارك (وأخرج) أبو نعيم وغيره عن ابن عباس رضي الله عنهما قال كان أبو طالب يحب النبي صلى الله عليه وسلم حباً شديداً لا يحب أولاده مثله ولذا لا ينام إلا جنبه ويخرج معه حين يخرج (وكان) النبي صلى الله عليه وسلم يحب أيضاً أبا طالب حباً شديداً لا يأوي إلا إليه ولا يطمئن قلبه إلا باتصاله به وكان صلى الله عليه وسلم يقول لما مات أبو طالب نالت قريش مني من الأذى ما لم تكن تطمع فيه في حياة أبي طالب (وقال أيضاً) ما نالت قريش مني شيئاً أكرهه حتى مات أبو طالب ولما رأى قريشاً تجرؤا عليه في أذيته قال يا عم ما أسرع ما وجدت فقدك ومات أبو طالب وخديجة في عام واحد فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسمي ذلك العام عام الحزن (ولما) ظهر أمر النبي صلى الله عليه وسلم وصار يدخل في دينه كثير من الناس اجتمع كفار قريش على قتل رسول الله صلى الله عليه وسلم وقالوا قد أفسد علينا أبناءنا ونساءنا وقالوا لبني هاشم خذوا منا دية مضاعفة ويقتله رجل من قريش وتريحونا وتريحوا أنفسكم فأبى بنو هاشم فعند ذلك اجتمع رأي قريش على منابذة بني هاشم وبني المطلب وإخراجهم إلى شعب أبي طالب والتضييق عليهم بالمنع من حضور الأسواق وأن لا يناكحوهم وأن لا يقبلوا منهم صلحاً أبداً ولا تأخذهم بهم رأفة حتى يسلموا إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم للقتل وكتبوا بذلك صحيفة وعلقوها في الكعبة وقيل إن أبا طالب لما رأى اجتماع قريش على قتل النبي صلى الله عليه وسلم جمع بني هاشم وبني المطلب مؤمنهم وكافرهم وأمرهم

ان يدخلوا برسول الله صلى الله عليه وسلم الشعب ويمنعوه ففعلوا ولم يتخلف عنهم الا ابو لهب فلما علمت قريش ذلك أجمع رأيهم على أن يكتبوا عهودا ومواثيق على أن لا يجالسوهم ولا يناكحوهم ولا يقبلوا لهم صلحا ابدا وكتبوا بذلك صحيفة وعلقوها في الكعبة ومكث بنو هاشم في الشعب ثلاث سنين وقيل سنتين وأصابهم ضيق شديد حتى أكلوا ورق الشجر يتقوتون به وكان ابو طالب في تلك المدة يحفظ غاية التحفظ على النبي صلى الله عليه وسلم حتى انه اذا جاء الليل . اراد النبي صلى الله عليه وسلم ان ينام يفرش له فراشه في الموضع الذي يعتاد ان ينام فيه فيضطجع فيه النبي صلى الله عليه وسلم ثم يقيمه عمه عن فراشه المعتاد ويأمر بعض بنيه أن ينام في ذلك الموضع ويفرش للنبي صلى الله عليه وسلم في موضع آخر غير معتاد نومه فيه فيدعه ينام فيه كل ذلك مبالغة في حفظه وحراسته والذي كتب الصحيفة من قريش شلت يده وأوحى الله تعالى للنبي صلى الله عليه وسلم انه سبحانه وتعالى سلط الارضة على صحيفتهم التي كتبوها وعلقوها في الكعبة فأكلت جميع ما فيها من عهد وميثاق وقطيعة رحم ولم يبق في الصحيفة غير اسم الله عز وجل فانهم كانوا يكتبون باسمك اللهم فأخبر النبي صلى الله عليه وسلم عمه أبا طالب بذلك فخرج من الشعب حتى أتى المسجد فاجتمع عليه قريش وظنوا أنه يريد أن يسلمهم النبي صلى الله عليه وسلم ليقتلوه فقالوا له توبتك وان معه فقد آن لكم ان ترجعوا عما احدثتم علينا وعلى أنفسكم فقال أبو طالب انما أتيتكم في أمر نصف بيننا وبينكم أي أمر وسط لا حيف فيه علينا ولا عليكم ان ابن أخي أخبرني ولم يكذبني قط أن الله تعالى قد سلط على صحيفتكم التي كتبتم الارضة فلحست كل ما كان فيها من جور أو ظلم أو قطيعة رحم وبقي فيها كل ما ذكر به الله تعالى فان كان الحديث كما يقول فافيقوا وفي رواية ترجعوا أي ارجعوا عن سوء رأيكم وان لم ترجعوا فوالله لا نسلمه حتى نموت من عند آخرنا وان كان الذي يقول باطلا دفعنا اليكم صاحبنا فقتلتم أو استحييتم فقالوا قد رضينا بالذي تقول وفي رواية انصفتنا فأخرجوا الصحيفة فوجدوا الامر كما أخبر الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم فلما رأت قريش صدق ما جاء به أبو طالب قالوا أي قال أكثرهم هذا سحر ابن أخيك وزادهم ذلك بغيا وعدوانا وبعضهم بدم وقال هذا بغي منا على اخواننا وظلم لهم وقال لهم أبو طالب بعدما وجد الامر كما أخبر صلى الله عليه وسلم يا معشر قريش علام نحصر ونحبس وقد بان الامر وتبين انكم أولى بالظلم والاساءة والقطيعة ودخل أبو طالب ومن معه تحت أستار الكعبة وقالوا اللهم انصرنا على من ظلمنا وقطع أرحامنا واستحل ما يحرم عليه منا ثم انصرفوا الى الشعب وعند ذلك مشى طائفة منهم في نقض الصحيفة وابطال ذلك الحصار والكلام على ذلك طويل وانما القصد بيان ان ابا طالب اطلعه الله على كثير مما خص الله نبيه به من الآيات والمعجزات وخوارق العادات من مبدأ امره صلى الله عليه وسلم وهو صغير الى منتهاه وباطلاعه على تلك الآيات والمعجزات صار قلبه مشحونا بالايمان والتصديق للنبي صلى الله عليه وسلم ايمانا قطعيا لا شك فيه ولا شبهة ولم يظهر ذلك الايمان ويتابعه ظاهرا لمبالغة منه في حفظ النبي صلى الله عليه وسلم وحمايته ومنعه عما يؤذيه وكان يظهر لقريش انه على ملتهم ودينهم فلا يستطيعون مخالفته فمن عرف ذلك ووقف على باطن الامر وحقيقته لم يشك في ايمان أبي طالب فكان في نصرة النبي صلى الله عليه وسلم يخادع قريشا مخادعة الحرب حتى تم أمر النبي صلى الله عليه وسلم وتمت دعوته وقد صرح

بالتصديق بنبوة النبي صلى الله عليه وسلم في كثير من أشعاره وكان في بعض تلك الاشعار يأتي بألفاظ توهم على قريش انه معهم وانه على ملتهم كل ذلك مخادعة لهم للمبالغة في حفظ النبي صلى الله عليه وسلم وحمايته فمن أشعاره التي دلت على تصديقه بنبوة النبي صلى الله عليه وسلم ما تقدم من قوله

ألم تعلموا أنا وجدنا محمدا * رسولا كموسى صح ذلك في الكتب

وهذا البيت من قصيدة طويلة لابي طالب قالها في زمن محاصرة قريش لهم في الشعب وهي قصيدة طويلة بليغة غراء تدل على غاية محبته للنبي صلى الله عليه وسلم وعلى التصديق بنبوته وشدة حمايته له والذب عنه ومطلعها

ألا ابلغا عني على ذات بيننا * لؤيا وخصا من لؤي بني كعب
ألم تعلموا انا وجدنا محمدا * رسولا كموسى صح ذلك في الكتب

(ويروى) نبيا كموسى خط ذلك في الكتب

وان عليه في العباد مودة * ولا خير ممن خصه الله بالحب

(ومنها)

فلسنا ورب البيت نسلم أحمدا * لعزاء من عض الزمان ولا كرب

(ومن شعره قوله)

وشق له من اسمه ليجله * فذو العرش محمود وهذا محمد

هكذا نسب الحافظ بن حجر في الاصابة هذا البيت لابي طالب وقيل انه لحسان بن ثابت الانصاري (قال البرزنجي) ولا مانع ان يكون لابي طالب وأخذه حسان فضمنه شعره (واجتمع) مرة كفار قريش وجاؤا أبا طالب ومعهم عمارة بن الوليد بن المغيرة وكان من أحسن فتيان قريش وقالوا لابي طالب خذ هذا بدل محمد يكون كالابن لك وأعطنا محمدا نقتله فقال ما أنصفتموني يا معشر قريش آخذ ابنكم أربيه وأعطيكم ابني تقتلونه ثم قال

والله لن يصلوا اليك بجمعهم * حتى أوسد في التراب دفينا
فاصدع بأمرك ما عليك غضاضة * وابشر بذاك وقر منك عيونا
ودعوتني وعلمت انك صادق * ولقد صدقت وكنت ثم أمينا
ولقد علمت بأن دين محمد * من خير أديان البرية دينا

وزاد بعضهم بعد هذا

لولا المسبة أو حذار ملامة * لوجدتني سمحا بذاك مبينا

(فقيل) ان هذا البيت موضوع أدخلوه في شعر أبي طالب وليس من كلامه (وقيل) انه من كلامه وأتى به للتعمية على قريش ليوهم عليهم انه معهم وعلى ملتهم ولم يتابع محمدا ليقبلوا اجابته ويمتثلوا أمره (ومن) شعره قوله في النبي صلى الله عليه وسلم

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه * ثمال اليتامى عصمة للارامل
يلوذ به الهلاك من آل هاشم * فهم عنده في رحمة وفواضل

وهذان البيتان من قصيدة طويلة لابي طالب قيل انها ثمانون بيتا أفردها بعض العلماء شرحا مستقلا وقيل انها تزيد على مائة بيت قالها أبو طالب حين حصر قريش لهم في الشعب

وأخبر قريشا انه غير مسلم محمدا رسول الله صلى الله عليه وسلم لأحد ابدا حتى يهلك دونه ومدحه بها مدحا بليغا وأتى فيها بكلام صريح في انه مصدق بنبوته ومؤمن به فمنها البيتان السابقان ومنها قوله

لعمري لقد كلفت وجدا بأحمد * وأحببته حب المحب المواصل

وقد علموا ان ابننا لا مكذب * لدينا ولا يعزى لقول الاباطل

فمن مثله في الناس أي مؤمل * اذا قاسه الحكام عند التفاضل

حليم رشيد عاقل غير طائش * يوالي الها ليس عنه بغافل

وأصبح فينا أحمد في أرومة * تقصر عنها سورة المتطاول

حدبت بنفسي دونه وحميته * ودافعت عنه بالذرى والكلاكل

وفي القصيدة أبيات كثيرة مثل هذه في المعنى والبلاغة (قال) ابن كثير ان هذه القصيدة بليغة جدا لا يستطيع ان يقولها الا من نسبت اليه وهي أفحل من المعلقات السبع وأبلغ في تأدية المعنى (وأخرج البيهقي) عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال جاء أعرابي الى النبي صلى الله عليه وسلم فشكا الجدب والقحط وأنشد أبياتا فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى صعد المنبر فرفع يديه الى السماء ودعا فما رد يديه حتى التقت السماء بأبراقها ثم بعد ذلك جاؤا يضجون من كثرة المطر خوف الغرق فقال صلى الله عليه وسلم اللهم حوالينا ولا علينا فضحك صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه ثم قال لله در أبي طالب لو كان حيا لقرت عيناه من ينشدنا قوله فقال علي رضي الله عنه وكرم وجهه كأنك تريد قوله

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه * ثمال اليتامى عصمة للارامل

فقال صلى الله عليه وسلم أجل (قال البرزنجي) فقول النبي صلى الله عليه وسلم لله در أبي طالب يشهد له بانه لو رأى النبي صلى الله عليه وسلم وهو يستسقي على المنبر لسره ذلك ولقرت عيناه فهذا من النبي صلى الله عليه وسلم شهادة لأبي طالب بعد موته انه كان يفرح بكلمات النبي صلى الله عليه وسلم وتقر عينه بها وما ذلك الا لسر وقر في قلبه من تصديقه بنبوته وعلمه بكمالاته (ثم قال البرزنجي) فتأمل هذه المعاني الدقيقة ولا تكن ممن استحقرها لحقارة قائلها وفوق كل ذي علم عليم (ومن) غرر مدائح أبي طالب النبي صلى الله عليه وسلم الدالة على تصديقه اياه قوله

اذا اجتمعت يوما قريش لمفخر * فعبد مناف سرها وصميمها

فان حصلت أنساب عبد منافها * ففي هاشم أشرافها وقديمها

وان فخرت يوما فان محمدا * هو المصطفى من سرها وكريمها

وهذا موافق لقوله صلى الله عليه وسلم واصطفاني من بني هاشم (قال البرزنجي) وهذا نطق بالوحي قبل صدوره من النبي صلى الله عليه وسلم فانه صلى الله عليه وسلم أخبر بذلك بعد مدة من قول أبي طالب والحديث وحي كالقرآن فثبت بهذه الاخبار والاشعار ان أبا طالب كان مصدقا بنبوة النبي صلى الله عليه وسلم وذلك كاف في نجاته (قال القرافي) في شرح التنقيح عند قول أبي طالب

وقد علموا أن ابننا لا مكذب * لدينا ولا يعزى لقول الاباطل

ان هذا تصريح باللسان واعتقاد بالجنان وان أبا طالب ممن آمن بظاهره وباطنه غير انه كفر ظاهرا ولم يذعن للفروع (وكان) يقول اني لاعلم ان ما يقول ابن أخي حق ولولا اني أخاف ان

تعيرني نساء قريش لاتبعته اه (وأجيب) كما مر بأنه لم يذع عن ظاهر انحو فاً من ان قريشاً لا تقبل حمايته (وقوله) لولا اني أخاف ان تعيرني نساء قريش انما قال ذلك تعمية على قريش ليوهمهم عليهم انه على دينهم وهذا عذر صحيح بلغ به تمكين النبي صلى الله عليه وسلم في نبوته والدعوة الى ربه (وجاء) في صحيح مسلم انه يقال للنبي صلى الله عليه وسلم يوم القيامة اخرج من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان فهذا الحديث وغيره مما يماثله من الاحاديث كلها تدل بظاهرها على أن النطق بالشهادتين ليس شرطاً في النجاة بل ولا دخل له فيها والا لما كان قائلها نفاقاً في الدرك الاسفل من النار (ثم قال البرزنجي) وهذا الذي اخترناه من كون نجاة أبي طالب لما كان عنده من التصديق الكافي في النجاة في الآخرة هو طريق المتكلمين من أئمة الاشاعرة وهو ما دلت عليه أحاديث الشفاعة وأحاديث الشفاعة كثيرة وكلها فيها التصريح بأنها لاتنال مشركا وقد نالت الشفاعة أبا طالب كما سيأتي بيانه فدل ذلك على عدم اشراكه (ثم ذكر البرزنجي) الدلائل التي تمسك بها القائلون بعدم نجاته وقلب استدلالهم بها على عدم النجاة وجعلها دالة على النجاة (فمن ذلك) ما رواه البخاري ومسلم عن العباس بن عبد المطلب رضي الله عنه عم النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم ان أبا طالب كان يحوطك أي يحفظك وينصرك ويغضب لك فهل ينفعه ذلك قال نعم وجدته في غمرات من النار أي مشرفا عليها كما سيأتي تفسيره (وفي رواية) وكان في غمرات من النار أي مشرفا عليها فأخرجته الى ضحضاح ولولا أنا لكان في الدرك الاسفل من النار (والضحضاح) مارق من الماء على وجه الارض الى نحو الكعبين فاستعير للنار (وفي رواية) للبخاري ومسلم أيضا عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه انه صلى الله عليه وسلم ذكر عنده عمه أبو طالب فقال لعله تناله شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من نار يبلغ كعبيه يغلي منه دماغه (وروى) مسلم وغيره عنه صلى الله عليه وسلم ان أبا طالب أهون أهل النار عذابا (قال) القائلون بعدم نجاته ان هذه الاحاديث الصحيحة دالة على كفره وعلى انه في النار فلا يمكن القول بنجاته لان النبي صلى الله عليه وسلم أخبر بحاله فيما بينه وبين الله في الدار الآخرة فدل على انه لم يكن مصدقا بقلبه وأما ما صدر منه من نصرة النبي صلى الله عليه وسلم فانما كان من باب حمية العرب والانفة من ان يتسلط على ابن أخيه من يؤذيه وقد كفله بذلك عبد المطلب (ثم قال البرزنجي) فالجواب ان نفس الاحاديث التي ذكرت تدل على نجاته وذلك ان الله تعالى قد أخبر عن الكفار بأنهم لا يخفف عنهم من عذابها وبأنهم لا يفتر عنهم وبأنهم ما هم منها بمخرجين وبأنهم لا تنفعهم شفاعة الشافعين الى غير ذلك وقد ثبت في الاثر الصحيح ان الجحيم هي الطبقة التي يعذب فيها عصاة المؤمنين ثم يخرجون منها وهي أعلى طبقات النار وعصاة المؤمنين عذابهم أخف من عذاب الكفار وحيث صح ان أبا طالب أهون أهل النار عذابا على الاطلاق فيكون أهون عذابا حتى من عصاة المؤمنين ولو لم نقل بذلك لما صدق قوله صلى الله عليه وسلم انه أهون أهل النار عذابا ولو فرض انه كافر مخلد في النار وهو أهون أهل النار عذابا لكان عذاب الكفر أهون من عذاب بعض المؤمنين العصاة وهذا لا يقول به أحد فثبت ان عذابه أهون من عصاة المؤمنين وثبت انه تنفعه شفاعة النبي صلى الله عليه وسلم ولهذا خفف عنه العذاب وجعل أخف أهل النار عذابا فأخرج من طمطام النار وغمراتها أي أبعد عما كان مشرفا على دخوله لولا

النبي صلى الله عليه وسلم الى ضحضاح منها وألبس نعلين من النار صارت لا تعطي ظهور رجليه
وهذه هي أعلى النار لا أعلى منها بحيث ان النار ما مست الا تحت قدميه وليس ذلك الا في
الطبقة الموقتة التي مكان عصاة هذه الامة (وقد) صحت الاحاديث أنهم يخرجون منها
بحيث لا يبقى فيها من كان في قلبه أدنى أدنى أدنى من مثقال حبة من خردل من ايمان (وقد)
صح أيضا ان هذه الطبقة بعد ما يخرج منها عصاة هذه الامة تنطفي نارها وتصفق الريح
أبوابها وينبت فيها الجرجير ولا يجوز ان ينبت فيها الجرجير وفيها نار تمس تحت القدم فوجب
ان يخرج منها أبو طالب بهذه الادلة وكلها صحيحة (ثم قال البرزنجي) وقول ورد في الصحيح انه صلى
الله عليه وسلم قال شفاعتي لاهل الكبائر (وفي لفظ) ان لم يشرك بالله شيئا واللام للاختصاص
مثل الحمد لله ومعناه شفاعتي مختصة باهل الكبائر وحيث كانت مختصة باهل الكبائر
وهي لا تكون لشرك يعني ان الشفاعة التي لغفران الذنوب تختص باهل الكبائر فان الصغائر
يكفرها اجتناب الكبائر والكفار لا تنفعهم شفاعة الشافعين لان الله لا يغفر أن يشرك به
واذا لم يغفر لم يدخل تحت الشفاعة لان كل عذاب في مقابلة ذنب ما لم يغفر ذلك الذنب لا يرفع
عنه العذاب الذي في مقابلته واذا لم يغفر الشرك صدق ان لا تنفعه شفاعة الشافعين
والشافعين جمع محلى باللام فيفيد العموم لجمع الشافعين فتدخل شفاعته صلى الله عليه وسلم
فانها لا تنفع الكافرين كما لا تنفعهم شفاعة غيره وأبو طالب قد نفعته شفاعة النبي صلى الله عليه
وسلم فخفف عنه العذاب وأخرج من غمرات النار الى ضحضاح النار بشفاعة النبي صلى الله عليه
وسلم فوجب ان يكون من أهل الكبائر ما عدا الكفر ووجب ان يخرج من النار لانه صار من
عصاة الامة الذين هم في الطبقة العليا وكل من كان كذلك يخرج ويدخل الجنة وهذا معنى
قوله صلى الله عليه وسلم أرجو له من ربي كل خير وهذا الحديث أخرجه ابن سعد وابن عساكر
عن ابن عباس رضي الله عنهما انه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ترجو لابي طالب قال كل
الخير أرجوه من ربي ولا يرجى كل الخير الا لمؤمن ولا يجوز انه يراد بهذا ما حصل من تخفيف
العذاب فانه ليس خيرا فضلا عن ان يكون كل الخير وانما هو تخفيف الشر وبعض الشر
أهون من بعض والخير كل الخير دخول الجنة (وأخرج تمام الرازي) في فوائده بسنده بمتنه
في المناقب عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم القيامة
شفعت لابي وأمي وعمي ابي طالب وأخ لي كان في الجاهلية أورده المحب الطبري في كتابه ذخائر
العقبى في مناقب ذوي القربى وأخرجه أبو نعيم وصرح بأن الاخ كان من الرضاع (قال
البرزنجي) ان النار اسم للطبقات كلها وقد أخبر صلى الله عليه وسلم ان أبا طالب أخف أهل النار
عذابا على الاطلاق وبين وجه ذلك بأن النار لا تمس الا تحت قدميه فلا يجوز ان يكون كافرا
لان في المؤمنين من صح الاخبار بتعذيبهم في ذنب واحد من الغلول أو العقوق أو تعذيب المرأة
أو التصوير بعذاب أكثر من هذا (فقد) جاء فيمن غل من الغنيمة شملة صغيرة انها تلتهب عليه نارا
(وفيمن) غل بردة من صوف انه جعل له درع مثلها من نار (وان) من جاء بريئا من الغلول دخل
الجنة (وجاء) ان عقوق الوالدين من أكبر الكبائر (وذكر) في بعض الاحاديث بعد الشرك
بالله وفي القرآن واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا (وصح) ثلاثة لا ينفع معهن
عمل الشرك بالله وعقوق الوالدين والفرار من الزحف (وصح) أيضا لا ينظر الله يوم القيامة الى عاق

والديه (وصحت) أحاديث كثيرة في شدة عذاب العاق لوالديه وانه آخر من يخرج من النار من
العصاة (وصح) دخلت امرأة النار في هرة أي بسبب حبسها هرة (وصحت) أحاديث كثيرة في
النهي عن التبختر وشدة العذاب لمن تبختر ولو كان أبو طالب كافراً لكان عذاب الكفر دون
عذاب الكبائر مع ان عذاب الكفر فوق عذاب الكبائر قطعا وهذا لا شك فيه فان الكفر
أكبر الكبائر ولا يغفر بخلاف بقية الكبائر ولو وجد مؤمن عاص اخف عذابا من أبي طالب
لزم الخلف في قول الصادق صلى الله عليه وسلم حيث جعله أخف أهل النار عذابا على الاطلاق
فوجب ان يكون عذابه كعذاب عصاة المؤمنين بل يكون أخف العصاة عذابا وهذا العذاب في
مقابلة كبيرة هي ترك النطق بالشهادة ان قلنا انه لم ينطق بها وان ترك النطق بها معصية من
كبائر المعاصي وان عذره في ترك النطق بها لا يمنع من صحة الايمان لكنه لا ينفي كون ذلك
الترك معصية أو نطق بها ولم يسمعها النبي صلى الله عليه وسلم فلم يعتد بها فكأنه ما نطق بها
وذلك ان النبي صلى الله عليه وسلم حضر أبا طالب عند الموت وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبي
أمية المخزومي فقال له النبي صلى الله عليه وسلم أي عم قل لا اله الا الله كلمة أحاج لك بها عند الله
فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب فلم يزالا يردانه حتى
قال أبو طالب آخر ما كلمهم به هو على ملة عبد المطلب وأبى ان يقول لا اله الا الله (وفي رواية)
فلما رأى أبو طالب حرص رسول الله صلى الله عليه وسلم على اسلامه قال يا ابن أخي لولا مخافة
قريش أني انما قلتها جزعا من الموت لقلتها (وفي رواية) لما تقارب من أبي طالب الموت نظر
اليه العباس فرآه يحرك شفتيه فأصغى اليه باذنه فسمع منه الشهادة فقال للنبي صلى الله عليه
وسلم يا ابن أخي والله لقد قال أخي الكلمة التي أمرته بها ولم يصرح العباس بلفظ لا اله الا الله
لكونه لم يكن أسلم حينئذ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لم أسمع وهذا معنى قولهم انه صلى الله
عليه وسلم لم يعتد بها وكأنه لم ينطق بها والقائلون بعدم نجاته لم يأخذوا بهذا الحديث لكون
العباس شهد بها حال كفره قبل ان يسلم وبعضهم ضعف هذا الحديث فعلى تسليم عدم الاعتداد
بنطقه هذا وان الحديث ضعيف فنقول هو كافر باعتبار أحكام الدنيا وأما عند الله فهو مؤمن
ناج مصدق قلبه ايمانا بدليل ما تقدم عنه مما يدل على ذلك انه يمكن ان عدم نطقه بحضور أبي
جهل وعبد الله بن أمية حرصا منه على بقاء الحفظ للنبي صلى الله عليه وسلم وصيانته من أذيتهم له
بعد وفاته لانه كان يرى انه اذا أظهر لهم انه على دينهم تبقى حرمته وتعظيمه عندهم بعد وفاته فلا
ينال النبي صلى الله عليه وسلم منهم أذى واذا كان هذا قصده كان معذورا فيكون اجابته لهما
بما أجابهم به مداراة لهما لئلا ينفرهما خشية ان يؤذوا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد وفاته
على انه يمكن الجمع بين امتناعه ونطقه بانه امتنع بحضورهما مداراة لهما فلما انطلقا وذهبا نطق
بها وأصغى اليه العباس فسمعه ينطق بها ولهذا قال في الحديث السابق آخر ما كلمهم به يعني أبا جهل
ومن كان معه ولم يقل آخر ما تكلم به مطلقا فدل على ان قوله هو على ملة عبد المطلب دليل على
انه على التوحيد لان عبد المطلب كان على التوحيد كبقية آبائه صلى الله عليه وسلم كما حقق ذلك
الجلال السيوطي وغيره في رسائل متعددة فأجابهم أبو طالب عليهم الجواب أبهم به ظاهرا وهو
يعلم ان عبد المطلب كان على التوحيد (وأخرج ابن عساكر) عن عمرو بن العاص رضي الله عنه قال
سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان لابي طالب عندي رحما سأبلها ببلالها والقائلون

بعدم نجاته يقولون ان حديث الصحيحين الذي فيه كان في غمرات من النار يدفع ايمانه وان
هذا شأن من مات على الكفر (قال البرزنجي) قلنا ليس من [illegible] على الكفر يكون في
ضحضاح من النار بل شأنه أن يكون في الدرك الاسفل من النار فقبول الشفاعة فيه حتى صار
في ضحضاح دليل على عدم كفره اذ لا تقبل في الكافر شفاعة الشافعين وقوله صلى الله عليه
وسلم لولا انا كان في الدرك الاسفل من النار معناه لولا أن الله هداه بي للايمان لمات كافرا
وكان في الدرك الاسفل من النار فهو نظير قوله صلى الله عليه وسلم في ولد اليهودي الذي زاره
صلى الله عليه وسلم في مرضه وعرض عليه الاسلام فأسلم ومات الحمد لله الذي أنقذه بي من النار
وحينئذ ظهر لنا معنى لطيف في هذا الحديث الآخر الذي كان في غمرات من النار فشفعت له
فأخرج الى ضحضاح منها وهو ان المعنى كان مشرفا على دخول الغمرات حيث أبى أن يشهد
ثم تشفعت فيه فهداه الله للايمان ولا ينافي هذا قوله انا لم اسمع لجواز ان الله اخره بعد ذلك
وقوله تعالى انك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء وان نزلت في أبي طالب
فنزولها فيه لا ينافي ان الله هو الذي هداه بعد ان أيس النبي صلى الله عليه وسلم منه (وأخرج)
ابن سعد وابن عساكر عن علي رضي الله عنه قال أخبرت النبي صلى الله عليه وسلم بموت أبي طالب
فبكى وقال اذهب فغسله وكفنه وواره غفر الله له ورحمه ففعلت وانما ترك النبي صلى الله عليه
وسلم المشي في جنازته اتقاء من شر سفهاء قريش وعدم صلاته لعدم مشروعية صلاة الجنازة
يومئذ (وقد ذكر أهل السير) انه لما مات أبو طالب نالت قريش من رسول الله صلى الله عليه
وسلم من الاذى ما لم تكن تطمع فيه في حياة أبي طالب حتى اعترضه سفيه من سفهاء قريش فنثر
على رأسه ترابا فدخل صلى الله عليه وسلم بيته والتراب على رأسه فقامت اليه احدى بناته
فجعلت تزيل عنه التراب وهي تبكي ورسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تبكي يا بنية فان الله
مانع أباك وقال ما نالت مني قريش شيئا اكرهه حتى مات أبو طالب ويؤيد استحالة اذاهم له
انهم قاموا من عند أبي طالب مغضبين حاقدين على رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث كان يكرر
على أبي طالب طلب النطق بالشهادتين ولما رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشا تجمعوا على
أذيته قال يا عم ما أسرع ما وجدت فقدك (وجاء في رواية) البيهقي ان عليا رضي الله عنه لما مات
أبو طالب قال يا رسول الله ان عمك الشيخ الضال قد مات قال اذهب فواره قلت انه مات مشركا
قال اذهب فواره فلما واريته رجعت الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال اغتسل فقوله ان عمك
الشيخ الضال قد مات مخالف للحديث السابق (وأجيب) بان هذا منظور فيه الى ظاهر حاله في
الدنيا ولعل عليا رضي الله عنه قال ذلك بحضور سفهاء المشركين مداراة لهم فلا ينافي الحديث
السابق المنظور فيه الى باطن الحال وحقيقة نفس الامر وهو ايمانه وتصديقه (والحاصل) انه
يصح الاخبار عنه بالكفر بالنظر لظاهر الحال وأحكام الدنيا فلا ينافي انه مؤمن باعتبار باطن
الامر وما عند الله بدليل البراهين السابقة الدالة على ايمانه وتصديقه (قال البرزنجي) ان
اعتقادنا في نجاته على المسلك الاول الكافي في النجاة ولا نحتاج الى غيره لكن ذكرناه زيادة
تأكيد للدعي وقد استدل أيضا للنجاة بقوله تعالى فالذين آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا
النور الذي [illegible] أولئك هم المفلحون وقد صدقه أبو طالب ونصره بما اشتهر وعلم وناند
قريشا بسببه بما لا ينكره أحد من نقلة الاخبار فيكون من المفلحين وقال القائلون بعدم

اتباعه ونصره لكنه لم يتبع النور الذي أنزل معه وهو الكتاب العزيز الداعي الى التوحيد ولا يحصل الفلاح الا بحصول ما رتب عليه من الصفات كلها (قال البرزنجي) أقول ان أريد بالفلاح أصل النجاة من النار فهو وانما يترتب على الايمان الذي هو التصديق عند المحققين وقد حصل له ذلك وان أريد الفلاح التام فلا يلزم من عدمه حصول الكفر على انا نقول قد اتبعه وأمر باتباعه لان الظاهر من العواطف أي في قوله آمنوا به واتبعوا كما هو الاصل فيه ان الاتباع غير الايمان واذا كان غيره فيحمل الايمان على التصديق وهو حاصل وانما كان الاتباع فيما كان شرع حينئذ ولم يكن الا التوحيد وصلة الارحام وترك عبادة الاصنام كما مر عن أبي طالب انه سأل النبي صلى الله عليه وسلم بم بعثت فأخبره انه بعث بصلة الارحام وأن يعبد الله ولا يعبد معه غيره ولم يكن في ذلك الوقت فرضت الصلاة ولا الزكاة ولا الصوم ولا الحج ولا الجهاد فلم يبق الا قول لا اله الا الله فان اعتبر عما يؤدي التوحيد فقد مر انه نطق بالوحدانية وبحقيقة الرسالة وتصديق النبي صلى الله عليه وسلم في اشعاره وانما طلب النبي صلى الله عليه وسلم ذلك منه عند موته ليصير ايمان الوفاة وان لم يعتد به عند الموت فتكون نعمة قرن دالة على انه كان مصدقا قبله وانما امتنع من النطق به خشية أن ينسبوه الى الجزع من الموت والخوف من الموت عندهم عار وقد كانوا عريقين في السيادة والمفاخرة بحيث لا يرضون أن ينسب اليهم أقل قليل مما يخالفها ولا سيما أن يكون ذلك عندهم عظيما وذلك عذر وهذا بحسب ظاهر الامر وأما في باطن الامر فالسبب الحقيقي في عدم نطقه بحضور القوم المبالغة في المحافظة على حماية النبي صلى الله عليه وسلم ونصرته لعلمه بانه اذا نطق بذلك وعلموا انه اتبع النبي صلى الله عليه وسلم لم يعتدوا بحمايته وجاهه عندهم بل يحقرون ذمته وينتهكون حرمته ويبالغون في ايذاء النبي صلى الله عليه وسلم وقد كان أبو طالب حريصا على أن يكون أمر النبي صلى الله عليه وسلم في دعوة الخلق الى الله تعالى باقيا بعد موته ولذلك كان محافظا على بقاء حرمته في قلوب قريش فلو نطق بالشهادتين وعلموا ذلك منه فانه يفوت غرضه من كمال النصرة والحماية (ثم ذكر البرزنجي) احتمالات بسبب تعذيب أبي طالب مع عصاة المؤمنين غير النطق بالشهادتين فقال يحتمل أن يكون ذلك لترك الصلاة التي كانت في أول الاسلام وهي ركعتان بالغداة وركعتان بالعشي فان أبا طالب طلب منه صلاة تينك الصلاتين فامتنع وكذا التشهد الذي كان يفعله صلى الله عليه وسلم في أول الاسلام فيحتمل ان امتناعه من ذلك كراهة أن يعلم قريش انه اتبع النبي صلى الله عليه وسلم فلا يقبلون حمايته ولا يعملون بها فيكون امتناعه من تلك الصلاة مبالغة في التعمية على قريش ومبالغة في حماية النبي صلى الله عليه وسلم ونصرته فيكون ذلك عذرا لكنه لا يمنع كون الامتناع معصية يعاقب عليها او كان هو في الظاهر يعلل بغير ذلك فانه لما طلب منه صلاة تلك الصلاة قال لا تعلوني استي فيكون ذلك الامتناع عنادا واستكبارا بحسب الظاهر فيعاقب عليه وان كان مبالغة في التعمية على قريش ليوهمهم انه معهم وعلى دينهم ويحتمل ان دخوله النار لأن لبعض حقوق العباد التي كانت عليه بعد البعثة (وقد ذكر البرزنجي) في أول رسالته في مبحث نجاة الابوين نجاة جميع الآباء وانهم كانوا على التوحيد (ثم قال) في مبحث نجاة أبي طالب لم ينقل عن أحد من أعمام النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لم تسب آباءنا وتشتم آلهتنا وتسفه أحلامنا كما

فانه بقية قريش فلو عيروا من آبائهم ذلك لقالوا اترك ذكر آبائك بسوء واما عداوة أبي لهب فكانت بسبب مصاهرة أبي سفيان فان أبا لهب كان متزوجا أخت أبي سفيان أم جميل وسميت في الاسلام أم قبيح وهي حمالة الحطب فكان أبو لهب يهوى هواهم فالظاهر ان أبا طالب كان على ملة آبائه ولو عبد أبو طالب صنما لزم أن يكون أول من أشرك من هذه السلسلة الطاهرة ولم يثبت بطريق ثابت ان أبا طالب أول من أحدث الشرك وعبادة الاصنام من هذا النسب الطاهر والسلسلة المباركة والاصل عدم ذلك فهو تبع لعبد المطلب في كل أحواله من مكارم الاخلاق وحماية الذمار والرياسة حتى خرج من الدنيا وهو على ملة عبد المطلب وهذا هو الذي أشار اليه أبو طالب لما قال لكفار قريش هو على ملة عبد المطلب فخاطبهم بكلام محتمل له محمل صحيح يخرجه عن الشرك ويدخله في زمرة الموحدين لما سمعناه من مناقب عبد المطلب الدالة على انه كان موحدا وعمي عليهم الامر لبقي جاهه وحمايته عندهم (والحاصل) ان الاحاديث التي فيها ذكر كفر أبي طالب ودخوله النار انما هو بالنسبة للاحكام الدنيوية بظاهر الشرع وأن دخوله النار لاجل ترك التلفظ بالشهادتين أو لاجل ترك فرض من الفرائض أو لحق من حقوق العباد ولا يلزم من دخوله النار خلوده فيها وليس في تلك الاحاديث نص على أنه يخلد في النار وقد شفع النبي صلى الله عليه وسلم في جعله في ضحضاح ولو كان كافرا ما نفعته شفاعته فيه وصح ان أخف أهل النار عذابا عصاة المؤمنين وان أبا طالب أخف أهل النار عذابا على الاطلاق فهو أخف حتى من عصاة المؤمنين وصح ان العصاة يخرجون من الجحيم وان الريح تصفق أبوابها وينبت فيها الجرجير فيكون أبو طالب من المخرجين منها بل يكون أول المخرجين لانه أخفهم عذابا والكافرون ليسوا بمخرجين منها فثبت بهذه الادلة انه وان عذب في النار لا بد له من الخروج منها ودخول الجنة اذ لا واسطة بين الجنة والنار (ثم قال) فان قلت أثبت العلماء له صلى الله عليه وسلم نوعا من الشفاعة للكفار وجعلوا ذلك خصوصية لنبينا صلى الله عليه وسلم ومثلوا ذلك بشفاعته لابي طالب وهي التخفيف من عذابه قلت هذا مبني على ان أبا طالب كافر وقد أثبتنا ايمانه فهو أول الدعوى وقد أثبتنا ان شفاعته له باعتبار معصية من المعاصي ارتكبها فهو من افراد قوله صلى الله عليه وسلم شفاعتي لاهل الكبائر وليس مستثنى من قوله تعالى فما تنفعهم شفاعة الشافعين ولا مخصصا لعموم الآية فهي باقية على عمومها وليس عندهم مثال آخر يمثلون به لشفاعته لاحد من الكفار غير أبي طالب فان كان لهم دليل آخر فليذكروه حتى ننظر فيه ثم ان أرادوا الكفار في ظاهر الشرع رجع الخلاف لفظيا ولو لم تحمل الكلام على هذا التحقيق يلزمهم أيضا ان قوله تعالى ان الله لا يغفر أن يشرك به مخصوص بغير أبي طالب ولا قائل به (وقد تكلم البرزنجي على الآيات التي في القرآن التي قيل انها نزلت في أبي طالب كقوله تعالى ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم انهم أصحاب الجحيم فقال اني تتبعت الاحاديث الواردة في سبب نزولها فوجدتها ترجع الى ثلاثة أوجه (الاول) انها نزلت في أبي طالب (والثاني) انها نزلت في والدة النبي صلى الله عليه وسلم (والثالث) انها نزلت في آباء الناس الذين ماتوا في الكفر كان أولادهم يستغفرون لهم (أما الوجه الثاني) وهي انها نزلت في والدة النبي صلى الله عليه وسلم فهو ضعيف جدا (وأما الوجه الاول) وهو

كونها نزلت في أبي طالب فهو اختصار من الرواة في الحديث فالصحيح ان سبب النزول هو الوجه الثالث (ومما) استدل به على ذلك ان الآية نزلت بالمدينة والسورة مدنية نزلت بعد تبوك وموت أبي طالب كان بمكة قبل نزول الآية بنحو اثنتي عشرة سنة ثم رأينا أن عليا رضي الله عنه روى عنه من طرق صحيحة رواها الامام أحمد والترمذي والطيالسي وابن أبي شيبة والنسائي وأبو يعلى وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم وأبو الشيخ والحاكم وصححه وابن مردويه والبيهقي ان السبب في نزولها استغفار ناس لآبائهم المشركين قال علي رضي الله عنه سمعت رجلا يستغفر لابويه وهما مشركان فقلت أتستغفر لابويك وهما مشركان فقال أولم يستغفر ابراهيم لابيه فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فنزلت ما كان للنبي والذين آمنوا الآية فهذه الرواية صحيحة (وقد) وجدنا لها شاهدا رواية صحيحة من حديث ابن عباس رضي الله عنهما رواها ابن جرير وابن أبي حاتم عن ابن عباس رضي الله عنهما قال كانوا يستغفرون لآبائهم حتى نزلت هذه الآية فلما نزلت امسكوا عن الاستغفار لامواتهم ولم ينهوا ان يستغفروا للاحياء حتى يموتوا ثم أنزل الله وما كان استغفار ابراهيم لابيه الآية يعني استغفر له ما كان حيا فلما مات أمسك عن الاستغفار له وهذا شاهد صحيح فحيث كانت هذه الرواية أصح كان العمل بها أرجح فالارجح انها نزلت في استغفار الناس لآبائهم المشركين لا في أبي طالب (ثم ذكر) يمكن الجمع بينها وبين الرواية التي فيها انها نزلت في أبي طالب مع حصول مطلوبنا لان الرواية التي فيها انها نزلت في أبي طالب فيها اختصار حيث قال الراوي في آخرها لاستغفرن لك ما لم أنه عنك فنزلت ما كان للنبي الآية ولم يقل فقال المسلمون ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستغفر لعمه لنستغفرن لآبائنا فاستغفروا لآبائهم فنزلت في حقهم الآية فحيث حذفت هذه الجملة ظن الراوي انها نزلت في أبي طالب ولو ذكرت هذه الجملة لقيل نزلت في استغفار ناس في آبائهم (وبيان ذلك) ان النبي صلى الله عليه وسلم لما عرض على أبي طالب أن يقول لا اله الا الله بحضور أبي جهل وعبد الله بن أمية المخزومي فأبى أبو طالب فقال النبي صلى الله عليه وسلم لاستغفرن لك ما لم أنه عنك فقال المسلمون ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستغفر لعمه لنستغفرن لآبائنا فاستغفروا لآبائهم فنزلت في حقهم الآية فاختصر الراوي وحذف منه الجملة الاخيرة ومما يدل على هذا الجمع انا وجدنا أحاديث يستفاد منها هذا الجمع (منها) ما رواه ابن أبي حاتم وأبو الشيخ عن محمد بن كعب القرظي قال لما مرض أبو طالب أتاه النبي صلى الله عليه وسلم فعرض عليه أن يقول لا اله الا الله فأبى أبو طالب فقال النبي صلى الله عليه وسلم لاستغفرن لك ما لم أنه عنك فقال المسلمون هذا محمد يستغفر لعمه وقد استغفر ابراهيم لابيه فاستغفروا لقراباتهم من المشركين فأنزل الله تعالى ما كان للنبي والذين آمنوا الآية ثم أنزل وما كان استغفار ابراهيم لابيه الآية (وروى) ابن جرير من طريق شبل عن عمرو بن دينار أن النبي صلى الله عليه وسلم قال استغفر ابراهيم لابيه وهو مشرك فلا أزال أستغفر لابي طالب حتى ينهاني عنه ربي فقال أصحابه لنستغفرن لآبائنا كما استغفر النبي صلى الله عليه وسلم لعمه فأنزل الله ما كان للنبي الآية فظهر بهذه الاخبار ان الآية نزلت في استغفار المسلمين لاقاربهم المشركين فظهر ان في الرواية التي فيها انها نزلت في أبي طالب اختصارا وحذفا بسببه حصل الاشتباه حتى ظن الرواة انها نزلت في أبي طالب وليس

الامر كذلك (ومما يؤيد) ان هذا الجمع متعين ان السورة كلها مدنية نزلت بعد تبوك وبينها وبين موت أبي طالب نحو من اثنتي عشرة سنة وانضم الى ذلك حديث على السابق الصحيح وما انضم اليه من الشواهد وكون الآية مدنية فلا ينبغي الغاء تلك الشواهد وترجيح انها نزلت في أبي طالب وان كان مذكورا في الصحيحين اذ قد يرجح حديث غير الصحيحين لامور تقتضي ذلك وقد صرحوا بذلك في أصول الحديث فقولهم يقدم حديث الصحيحين أو احدهما ليس على اطلاقه ومما يؤيد هذا الجمع ان المراد من أبي ابراهيم عمه كما حققنا ذلك في نجاة الابوين وأجمع على ذلك أهل الكتابين التوراة والانجيل وعم ابراهيم وهو آزر كان يتخذ أصناما آلهة كما حكى الله عنه وكان يقول لابراهيم أراغب أنت عن آلهتي يا ابراهيم (ولم ينقل) عن أبي طالب بطريق صحيح انه اتخذ صنما الها أو عبد حجرا أو نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن عبادة ربه غايته انه ترك النطق بالشهادتين أو ترك بعض الواجبات ومع ذلك قلبه مشحون بتصديق النبي صلى الله عليه وسلم ومثل هذا ناج في الآخرة على مقتضى ديننا ولا يليق بالحكمة ولا بمحاسن الشريعة الغراء ولا بقواعد الائمة من أهل الكلام أن يكون هو وآزر عم ابراهيم في قرن واحد حاشا من كرم الله تعالى (قال) حسان رضي الله عنه

أمن يهجو رسول الله منكم * ويمدحه وينصره سواء

فان أبا طالب رباه صغيرا وآواه كبيرا ونصره ووقره وذب عنه ومدحه بقصائد غرر ورضي باتباعه وليس في حديث عمرو بن دينار الساق آنفا دلالة على شركه في قوله استغفر ابراهيم لابيه وهو مشرك فلا أزال أستغفر لابي طالب بل يمكن ان معناه ان ابراهيم استغفر لابيه مع شركه فكيف لا أستغفر أنا لابي طالب مع ان خطيئته دون الشرك فلا أزال أستغفر له حتى ينهاني ربي ولم ينه بل نهى عن الاستغفار للمشركين لا لخصوص عمه فلو كان كذلك لقيل أن يستغفروا للمشركين وان يستغفر النبي لعمه ولم يقل كذلك ويصرح بهذا ما أورده في الدر المنثور من طريق ابن جرير عن قتادة ان رجالا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم سألوه عن الاستغفار لآبائهم فقال والله اني لاستغفر لابي كما استغفر ابراهيم لابيه فانزل الله ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين الآية فقال النبي صلى الله عليه وسلم اني أوحي الي كلمات قد دخلن في أذني ووقرن في قلبي أمرت أن لا أستغفر لمن مات مشركا فكونه صلى الله عليه وسلم قال اني لاستغفر لابي يعني لعمي ثم لم يقل أمرت أن لا أستغفر له بل قال لمن مات مشركا جواب لسؤال أصحابه مع الاشارة الخفية الى ان عمه لم يكن مشركا فدلت أحاديث شفاعته صلى الله عليه وسلم على انه يشفع فيمن في قلبه أدنى أدنى أدنى من مثقال حبة من خردل من ايمان وهذه الاشارة الخفية كانت تقع منه صلى الله عليه وسلم حرصا منه على الصدق وأن لا يقع في كلامه لفظ يخالف الواقع فانه معصوم من الكذب وهو منه مستحيل فيأتي بلفظ عام فيه اشارة خفية فيحصل بذلك جواب السائل ويرضى به وتطيب به نفسه (ومن ذلك) ما رواه ابن ماجه عن ابن عمر رضي الله عنهما قال جاء اعرابي الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان أبي كان يصل الرحم وكان وكان فأين هو قال في النار فكأنه وجد من ذلك فقال الرجل أين أبوك أنت فقال حيثما مررت بقبر كافر فبشره بالنار فأسلم الاعرابي وقال لقد كلفني رسول الله صلى الله عليه وسلم تعبا ما مررت بقبر كافر الا بشرته بالنار فاجمل رسول الله صلى الله عليه وسلم

الجواب بقوله حيثما مررت بقبر كافر فبشره بالنار جريا على عادته اذا سأله اعرابي وخاف من افصاح الجواب له فتنته واضطراب قلبه أجاب بجواب فيه تورية وابهام مع تحري الصدق فهنا لم يفصح له بحقيقة الحال ومخالفة حكم أبيه لابيه في المحل الذي هو فيه خشية ارتداده لما جبلت عليه النفوس من كراهية الاستيثار عليها ولما كانت عليه العرب من الجفاء وغلظ القلوب فأورد له جوابا موهما تطييبا لقلبه فتعين الاعتماد على هذا اللفظ وتقديمه على غيره مما غيره الرواة بالمعنى كرواية مسلم ان رجلا قال يارسول الله أين أبي قال في النار فلما ولى دعاه فقال ان أبي وأباك في النار فهذه الرواية منكرة وللعلماء فيها كلام كثير لخصه الزرقاني في شرح المواهب قال وأحسن ما يقال فيها ان الرواة تصرفوا فيها واختلفت رواياتهم وان الصواب كالرواية الاولى وهو حيثما مررت بقبر كافر فهي في غاية الاتقان يتبين بها ان اللفظ العام وهو حيثما مررت بقبر كافر فبشره بالنار هو الصادر منه صلى الله عليه وسلم فكأن بعض الرواة فهم ان قوله حيثما مررت بقبر كافر شامل لابي النبي صلى الله عليه وسلم وانه كافر فغيره ورواه بالمعنى على حسب فهمه وقال ان ابي وأباك في النار وما تقدم من ان آزر عم ابراهيم وليس بابيه هو القول الصحيح قال العلامة ابن حجر الهيتمي ان أهل الكتابين أجمعوا على ان آزر لم يكن بالابراهيم حقيقة وانما كان عمه وسماه الله في القرآن أبا لان العرب تسمي العم أبا وجزم بذلك الفخر الرازي وقال جاء في القرآن تسمية العم أبا قال تعالى والهك واله آبائك ابراهيم واسمعيل مع ان الكلام كان مع أولاد يعقوب واسمعيل عم يعقوب وقد سبق الرازي على ذلك جماعة من السلف منهم ابن عباس ومجاهد وابن جرير والسدي قالوا ليس آزر أبا ابراهيم وانما هو عمه لان ابراهيم أبوه تارخ (وممن وافق الرازي) الامام الماوردي من أئمة الشافعية وقال في قوله تعالى وتقلبك في الساجدين كما قال الرازي ان المراد تقلبه وتنقله من الاصلاب الطاهرة الى الارحام الزكية وهذا وجه من وجوه تفسير الآية وليس مراده الحصر في هذا الوجه ولكن هذا الوجه هو الاولى بالقبول (فقد أخرج) ابن سعد والبزار والطبراني وأبو نعيم عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالى وتقلبك في الساجدين قال من نبي الى نبي ومن نبي الى نبي حتى أخرجتك نبيا فقسر تقلبه في الساجدين بتنقله في أصلاب الانبياء ولو مع الوسائط وحمل الآية على أعم منهم وهم المصلون الذين لم يزالوا في ذرية ابراهيم أوضح ليشمل غير الانبياء (فقد أخرج) ابن المنذر عن ابن جريج في قوله تعالى رب اجعلني مقيم الصلاة ومن ذريتي قال فلا تزال من ذرية ابراهيم ناس على الفطرة يعبدون الله تعالى (وعن) ابن عباس رضي الله عنهما ومجاهد في قوله تعالى وجعلها كلمة باقية في عقبه انها لا اله الا الله باقية في عقب ابراهيم عليه السلام (وعن) قتادة في الآية هي شهادة أن لا اله الا الله والتوحيد لا يزال في ذريته من يقولها من بعده (وقد صح) من طرق صحيحة ان الارض لم تخل من سبعة مسلمين فمن ذلك ما أخرجه عبد الرزاق وابن المنذر بسند صحيح على شرط الشيخين عن علي رضي الله عنه قال لا يزال على وجه الارض سبعة مسلمون فصاعدا ولولا ذلك لهلكت الارض ومن عليها (وأخرج) الامام أحمد في الزهد بسند صحيح على شرط الشيخين عن ابن عباس رضي الله عنهما قال ما خلت الارض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن أهل الارض (وأخرج) البخاري حديث بعثت من خير قرون بني آدم قرنا فقرنا حتى بعثت من القرن الذي كنت فيه فاذا قرنت بين هاتين المقدمتين اعني

بعثت من خير قرون بني آدم الخ وان الارض لم تخل من سبعة مسلمين الخ انتهى ما قاله الامام الرازي من ان آباءه كلهم موحدون لانه ان كان كل احد من أجداده من جملة السبعة المذكورين في زمانهم فقد ثبت المدعى وان كانوا غيرهم فاما ان يكونوا على الحنيفية ملة ابراهيم عليه السلام فهم السبعة أيضا واما ان يكونوا على الشرك فيلزم أحد أمرين اما ان يكون غيرهم خيرا منهم وهو باطل لمخالفته الحديث الصحيح من انهم من خير قرون بني آدم قرنا فقرنا واما ان يكونوا خيرا وهم على الشرك وهو باطل بالاجماع قال تعالى ولعبد مؤمن خير من مشرك فثبت انهم على التوحيد فيكونوا خير أهل الارض في زمانهم ﴿وقد ذكر البرزنجي﴾ والسيوطي وغيرهم ممن أفتوا في نجاة آباء النبي صلى الله عليه وسلم وأمهاتهم وفي انهم كلهم على التوحيد دلائل وبراهين على ذلك وأفردوا كل أحد من الآباء بترجمة (وقد صح) في أحاديث كثيرة انه صلى الله عليه وسلم قال لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين الى أرحام الطاهرات وفي رواية لم يزل الله ينقلني من الاصلاب الحسيبة الى الارحام الطاهرة وعلى هذا حمل بعضهم قوله تعالى وتقلبك في الساجدين وقوله صلى الله عليه وسلم من أصلاب الطاهرين الى أرحام الطاهرات فآباء النبي صلى الله عليه وسلم وأمهاته الى آدم وحواء ليس فيهم كافر لان الكافر لا يوصف بانه طاهر (والى هذا) أشار صاحب الهمزية حيث قال

لم تزل في ضمائر الكون تختا * رلك الامهات والآباء

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما افترق من بني قط منذ خرجت من صلب آدم ولم تزل تتنازعني الامم كابرا عن كابر حتى خرجت من أفضل حيين من العرب هاشم وزهرة وحيث ان أبا طالب قال هو على ملة عبد المطلب فلنذكر بعض ما ذكروه في عبد المطلب لتعلم علما يقينيا انه كان على التوحيد فمما ذكروه في عبد المطلب انه نشأ على أكمل الصفات وانتهت اليه الرياسة بعد عمه المطلب وكان يأمر أولاده بترك الظلم والبغي ويحثهم على مكارم الاخلاق وينهاهم عن دنيآت الامور وكان يقول لن يخرج من الدنيا ظلوم حتى ينتقم الله منه وتصيبه عقوبة الى ان هلك رجل ظلوم من أرض الشام ولم تصبه عقوبة فقيل لعبد المطلب في ذلك ففكر وقال والله ان وراء هذه الدار دارا يجزى فيها المحسن باحسانه ويعاقب المسيء باساءته أي فالظلوم شأنه أن تصيبه عقوبة فان أخرج من الدنيا لم تصبه عقوبة فهي معدة له في الآخرة فهذا ايمان منه باليوم الآخر علمه بالفراسة الصادقة وهي نور الهي يقع في القلب وكان عبد المطلب يرفض عبادة الاصنام ويعترف بوحدانية الله تعالى ولم تكن شريعة مشروعة في زمنه فلهذا كانت عبادته التفكر في آلاء الله ومصنوعاته وصلة الارحام واصطناع المعروف والاتصاف بمكارم الاخلاق وكان يختلي كثيرا بغار حراء ليجتمع فكره وقلبه في الاستغراق في التفكر في صفات الله وأفعاله الدالة عليه وورد عنه في السنة أشياء كان متصفا بها ويأمر الناس بفعلها (منها) الوفاء بالنذر والمنع من نكاح المحارم وقطع يد السارق والنهي عن قتل الموؤدة وتحريم الخمر والزنا وأن لا يطوف بالبيت عريانا (وهو) أول من جعل الدية مائة من الابل فجاء الشرع مؤيدا لذلك ومقررا (وكان) الطيب ريحه يفوح منه رائحة المسك وكان نور النبي صلى الله عليه وسلم يضيء في غرته (وفيه يقول القائل)

علا شيبة الحمد الذي كان وجهه * يضيء ظلام الليل كالقمر البدر

وكانت قريش اذا أصابها قحط شديد تأتي عبد المطلب فيستسقي بهم فيسقون ولما جاء أصحاب الفيل ليهدموا الكعبة هلكوا بدعائه عند البيت المعظم (ومما نقل) عنه في ذلك اليوم

لاهم ان العبد يمنع رحله فامنع رحالك
وانصر على آل الصليب وعابديه اليوم آلك

(وقال أيضا)

يارب لا أرجو لهم سواكا * يارب فامنع منهم حماكا
ان عدو البيت قد عاداكا * فامنعهم ان يخربوا قراكا

(وأخذ) أصحاب الفيل له ذودا من الابل فذهب الى أبرهة رئيسهم يسأله اطلاق ابله فعظمه وأجلسه معه على سريره فلما سأله اطلاق ابله قال له أبرهة سقطت من عيني جئت لاهدم البيت الذي هو دينك ودين آبائك فألهاك عنه ذود أخذ منك فقال أنا رب الابل وللبيت رب يمنعه وقال يا معشر قريش لا يصل الى هدم البيت لان لهذا البيت ربا يحميه فأرسل الله عليهم طيرا أبابيل فأهلكهم وكان لعبد المطلب ابل كثيرة يجمعها في الموسم ويسقي لبنها بالعسل في حوض من أدم عند زمزم ويشتري الزبيب فينقعه بماء زمزم ويسقيه الحاج (ولما) توفي عبد المطلب قام بالسقاية أبو طالب ثم بعده العباس (ومن كلام عبد المطلب)

يارب أنت الملك المحمود * وأنت ربي الملك المعبود * من عندك الطارف والتليد

(وكان) عبد المطلب يكرم النبي صلى الله عليه وسلم ويعظمه وهو صغير ويقول ان لابني هذا شأنا عظيما (وقد سمع) من الكهان والرهبان شيأ كثيرا في شان النبي صلى الله عليه وسلم قبل ولادته وبعدها (وكان) عبد المطلب رئيس قريش معظما فيها وكانوا يفرشون له حول الكعبة فيجلس ويجتمع حوله رؤساء قريش ولا يستطيع أحد أن يجلس على فراشه ولا أن يطأه بقدمه وكان النبي صلى الله عليه وسلم وهو صغير يزاحم الناس فيدخل حتى يجلس بجنب جده عبد المطلب وربما جاء قبل جده عبد المطلب فجلس على فراشه فاذا اراد احد من أعمامه أن يمنعه يزجره جده عبد المطلب ويقول دعوه ان له لشأنا ثم يجلس على فراشه معه ويمسح ظهره ويسره ما يراه يصنع (وتوفي) عبد المطلب وعمر النبي صلى الله عليه وسلم ثمان سنين فأوصى به الى عمه أبي طالب وكان شقيق أبيه عبد الله وأمهما فاطمة بنت عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخزوم (وعن ابن عباس رضي الله عنهما) قال سمعت أبي العباس يقول كان لعبد المطلب مفرش في الحجر يجلس عليه لا يجلس عليه غيره وكان حرب بن أمية فمن دونه من عظماء قريش يجلسون حوله دون الفرش فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما وهو غلام فجلس على الفرش فجذبه رجل فبكى فقال عبد المطلب ما لابني يبكي قالوا أراد ان يجلس على الفرش فمنعوه فقال عبد المطلب دعوا ابني يجلس عليه فانه يحس من نفسه بشرف وأرجو ان يبلغ من الشرف ما لم يبلغه عربي قبله ولا بعده فكانوا بعد ذلك لا يردونه عنه حضر عبد المطلب أو غاب وفي رواية دعوا ابني انه ليؤنس ملكا وفي رواية فانه تحدثه نفسه بملك عظيم وسيكون له شأن وكان عبد المطلب من علماء قريش وحكمائها وكان مجاب الدعوة محرما الخمر على نفسه وهو أول من تحنث بغار حراء والتحنث التعبد الليالي ذوات العدد وكان اذا دخل شهر رمضان صعده واطعم المساكين وكان صعوده للتخلي عن الناس يتفكر في جلال الله وعظمته وكان يرفع

من مائدته الطير والوحوش في رؤس الجبال وكان يقال له مطعم الطير ويقال له الفياض
ولد وفي رأسه شيبة فقيل له شيبة الحمد رجاء انه يكبر ويشيخ ويكثر حمد الناس له وقد حقق الله
ذلك فكثر حمدهم له لانه كان مفزع قريش في النوائب وملجأهم في الامور وشريفهم
وسيدهم كمالا وفعالا عاش مائة واربعين سنة وله مناقب كثيرة (منها) حفر بئر زمزم وكانت
درست بعد اسمعيل فأمر في المنام بحفرها وأرشد في المنام الى محلها وقصة ذلك طويلة مذكورة
في كتب السير وفي السيرة الحلبية عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم يبعث جدي عبد المطلب يوم القيامة في زي الملوك وابهة الاشراف (قال البرزنجي)
ويروى ان عبد المطلب يعطى نور الانبياء وجمال الملوك ويبعث امة وحده قال لانه كان على
التوحيد وذلك كما أخبر عنه النبي صلى الله عليه وسلم من أمثاله كزيد بن عمرو بن نفيل وورقة
بن نوفل انه يبعث أمة وحده ومن يبعث أمة وحده لا يبعد انه يعطى نور الانبياء لانه مستقل
لا تابع وأما كونه يعطى جمال الملوك فلانه كان سيد قريش في زمانه وهو ملحق بالملوك الذين
عدلوا وما ظلموا وهذا له شاهد فيما رواه البرقي وأبو نعيم عن كعب الاحبار انه قال في التوراة في
صفة امة محمد صلى الله عليه وسلم انهم في القيامة يعطون نور الانبياء وبالجملة فمن وقف على
ما ذكره العلماء في ترجمته علم بالمناصفة انه كان على التوحيد وهكذا بقية آبائه الى آدم عليه
السلام وبهذا يعلم ان قول أبي طالب هو على ملة عبد المطلب اشارة الى انه على التوحيد
ومكارم الاخلاق ولو لم يصدر من أبي طالب من الاشارات الدالة على توحيده الا قوله وهو
على ملة عبد المطلب لكان ذلك كافيا فلله دره من لبيب حاذق وهذا المسلك الذي سلكه
العلامة السيد محمد بن رسول البرزنجي في نجاة أبي طالب لم يسبقه اليه أحد فجزاه الله أفضل
الجزاء ومسلكه هذا الذي سلكه يرتضيه كل من كان متصفا بالانصاف من أهل الايمان لانه
ليس فيه ابطال شيء من النصوص ولا تضعيف لها وغاية ما فيه انه حملها على معان مستحسنة
يزول بها الاشكال ويرتفع الجدال ويحصل بذلك قرة عين النبي صلى الله عليه وسلم والسلامة
من الوقوع في تنقيص أبي طالب أو بغضه فان ذلك يؤذي النبي صلى الله عليه وسلم وقد قال الله
تعالى ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة وأعد لهم عذابا مهينا وقال
تعالى والذين يؤذون رسول الله لهم عذاب أليم ﴿وقد ذكر الامام أحمد بن الحسين الموصلي
الحنفي﴾ المشهور بابن وحشي في شرحه على الكتاب المسمى بشهاب الاخبار للعلامة محمد
ابن سلامة القضاعي المتوفى سنة ٤٥٤ ان بغض أبي طالب كفر ونص على ذلك أيضا من
أئمة المالكية العلامة علي الاجهوري في فتاويه والتلمساني في حاشيته على الشفاء فقال عند
ذكر أبي طالب لا ينبغي ان يذكر الا بحماية النبي صلى الله عليه وسلم لانه حماه ونصره بقوله
وفعله وفي ذكره بمكروه أذية للنبي صلى الله عليه وسلم ومؤذي النبي صلى الله عليه وسلم كافر
والكافر يقتل وقال أبو الطاهر من أبغض أبا طالب فهو كافر ﴿والحاصل﴾ ان ايذاء النبي
صلى الله عليه وسلم كفر يقتل فاعله ان لم يتب وعند المالكية يقتل وان تاب (وروى)
الطبراني والبيهقي ان ابنة أبي لهب واسمها سبيعة وقيل درة قدمت المدينة مهاجرة فقيل
لها لا تغني عنك هجرتك وانت بنت حطب النار فتأذت من ذلك فذكرته للنبي صلى الله عليه
وسلم فاشتد غضبه ثم قام على المنبر فقال ما بال أقوام يؤذونني في نسبي وذوي رحمي فمن آذى

سي وذوي رحمي فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله تعالى وأخرج ابن عساكر عن علي رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من أذى شعرة مني فقد أذاني ومن أذاني فقد أذى الله تعالى فبغض أبي طالب والتكلم فيه يؤذي رسول الله صلى الله عليه وسلم ويؤذي أولاده الموجودين في كل عصر وقد قال صلى الله عليه وسلم لا تؤذوا الاحياء بسب الاموات ﴿ومما يؤيد هذا التحقيق﴾ الذي حققه العلامة البرزنجي في نجاة أبي طالب ان كثيرا من العلماء المحققين وكثيرا من الاولياء العارفين أرباب الكشف قالوا بنجاة أبي طالب منهم القرطبي والسبكي والشعراني وخلائق كثيرون وقالوا هذا الذي نعتقده وندين الله به وان كان ثبوت ذلك عندهم بطريق غير الطريق الذي سلكه البرزنجي فقد اتفق معهم على القول بنجاته فقول هؤلاء الائمة بنجاته أسلم للعبد عند الله تعالى لا سيما مع قيام هذه الدلائل والبراهين التي أثبتها العلامة البرزنجي ومما استدل به القائلون بعدم نجاته ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يورث منه شيئا ولا عليا لاختلاف الدين وأجاب البرزنجي عن ذلك بوجوه (منها) ان الميراث في وقت موت أبي طالب لم يفرض وانما كان الامر بالوصية فقد يكون أبو طالب أوصى بماله لعقيل فانه كان يحبه كثيرا ويحمل على تسليم ان عقيلا أخذ ذلك ميراثا ان النبي صلى الله عليه وسلم انما سكت معاملة لابي طالب وعقيل بحسب ظاهر الامر من الكفر بحسب أحكام الدنيا قيل ان مما نزل في أبي طالب انا أرسلناك بالحق بشيرا ونذيرا ولا تسئل عن أصحاب الجحيم وهذا القول ضعيف جدا كالقول بانها نزلت في أبوي النبي صلى الله عليه وسلم فان ذلك ضعيف أيضا بل قيل ان ذلك باطل لا أصل له والآية انما نزلت في اليهود (قال) أبو حيان في البحر وسوابق الآيات ولواحقها تدل على ذلك أي فان الجميع نزل في اليهود والقول بخلاف ذلك يوجب تفكيك نظم الآيات وذهاب جزالتها كما أشار الى ذلك المولى أبو السعود في تفسيره ﴿وقد ذكر البرزنجي﴾ أحاديث كثيرة تدل على نجاة أبي طالب ثم قال وان كان بعضها ضعيفا لكن لكثرتها يقوي بعضها بعضا لا سيما وأكثرها صحيح لا ضعف فيه (فمن الصحيح) ما أخرجه ابن سعد وابن عساكر عن علي رضي الله عنه قال أخبرت رسول الله صلى الله عليه وسلم بموت أبي طالب فبكى وقال اذهب فغسله وكفنه وواره غفر الله له ورحمه (وفي السيرة الحلبية) ان هذا الحديث أخرجه أيضا أبو داود والنسائي وابن الجارود وابن خزيمة عن علي رضي الله عنه قال لما مات أبو طالب أخبرت النبي صلى الله عليه وسلم بموته فبكى وقال اذهب فغسله وكفنه وواره غفر الله له ورحمه ﴿ثم قال البرزنجي﴾ على ان اعتمادنا على المسلك الاول الكافي في النجاة ولا نحتاج الى هذا الا لزيادة تأكيد في المدعى ومن الاحاديث التي ذكرها في الشفاعة ما رواه الامام أحمد والطبراني والبزار عن معاذ بن جبل وأبي موسى رضي الله عنهما قالا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ربي خيرني بين ان يدخل نصف أمتي الجنة أو شفاعة فاخترت لهم الشفاعة وعلمت انها أوسع لهم وهي لمن مات لا يشرك بالله شيئا وروى الامام أحمد وابن أبي شيبة والطبراني عن أبي موسى رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني أخرت شفاعتي وجعلتها لمن مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا وفي رواية لابي يعلى وأبي نعيم عن أبي ذر رضي الله عنه وهي نائلة منهم ان شاء الله تعالى من لم يشرك بالله شيئا وفي رواية عن عوف بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم سألت الله ان لا يلقاه عبد من أمتي يوحده الا أدخله الله الجنة وأخرج مسلم

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم تلا قول ابراهيم فمن تبعني فانه
مني ومن عصاني فانك غفور رحيم وقول عيسى ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك
أنت العزيز الحكيم فرفع يديه وقال أمتي أمتي ثم بكى فقال الله يا جبريل اذهب الى محمد وقل له
انا سنرضيك في أمتك ولا نسوءك (وروى) البزار والطبراني عن علي كرم الله وجهه عن رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال أشفع لامتي حتى يناديني ربي أرضيت يا محمد فأقول أي رب رضيت
(وروى) الطبراني في الاوسط بسند حسن عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم اني أخرت شفاعتي لامتي وهي بالغة ان شاء الله من مات لا يشرك بالله شيئا
قال البرزنجي فانظر هذه الاحاديث فانها كلها تدل على أن الشفاعة لا تنال مشركا وقد
نالت الشفاعة أبا طالب بنص الحديث الصحيح ونعلم قطعا انه كان يصدق بنبوة النبي صلى الله
عليه وسلم وصدقه وحقية دينه وكفى بالظاهر دليلا فلا بد من القول بنجاته ولا منافاة بينها
وبين الاحاديث التي فيها ذكر كفره ودخوله النار لما تقدم أن الحكم بكفره انما هو بالنسبة
للاحكام الدنيوية بحسب ظاهر الشرع وأن دخوله النار لاجل ترك فرض من الفرائض
وهذا لا يلزم منه خلوده في النار وليس هناك نص على انه مخلد في النار مع ما مر في أن سبب
نزول آية النهي عن الاستغفار من أخرج ولله الحمد وتقدم أن قوله تعالى انك لا تهدي من أحببت
ولكن الله يهدي من يشاء لا يخرج من نجاته فانما دلت على انك لا تهديه ولكن الله يهدي
من يشاء فقد اهتدى بهداية الله وتقدم أن العباس لما أخبر النبي صلى الله عليه وسلم انه أتى
بالشهادة قال لم أسمعه فقال له ذلك نظرا الى ظاهر الحال وذلك لا يمنع أن الله أطلعه على
ايمانه ولذلك قال كل الخير أرجوه من ربي (وقد) صح أن العباس سأل رسول الله صلى الله عليه
وسلم فقال يا رسول الله أترجو لابي طالب خيرا قال كل الخير أرجو من ربي وهذا الحديث رواه
ابن سعد في الطبقات بسند صحيح ورجاؤه صلى الله عليه وسلم محقق ولا يرجو كل الخير الا
ولا يجوز أن يراد بهذا ما حصل له من تخفيف العذاب فانه ليس خيرا فضلا عن أن يكون
الخير وانما التخفيف انما هو تخفيف الشر وبعض الشر أهون من بعض وحصول كل الخير
يكون بدخول الجنة قال بعض العارفين انه ثبت عند أهل الكشف ايمان أبي طالب ثبوتا
لا شك فيه ولعل السبب في أن الله أبهم أمره بحسب ظاهر الشرع لتطييب قلوب أصحاب النبي
صلى الله عليه وسلم الذين كان آباؤهم كفارا لانه لو صرح لهم بايمان أبي طالب وهم يرونه كافرا
بحسب الظاهر مثل آبائهم تنفر قلوبهم وتتوغر صدورهم ويقولون انه لا فرق بينه وبين آبائنا
فكيف يكون ناجيا وهم معذبون وهذا يكون منهم بحسب ما تقتضيه الطبيعة البشرية فانها
تنفر من استئثار غيرها عليها كما تقدم نظير ذلك في الذي قال أين أبي ولو أظهر أبو طالب ايمانه
لفات ما قصده من نصرة النبي صلى الله عليه وسلم وحمايته ثم في ذلك لله تعالى حكم كثيرة
لا اطلاع لنا عليها فيجب علينا التسليم لامر الله تعالى والانقياد لحكمه والرضا به وحفظ الادب
مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأهل بيته وصحابته وتحسين الظن بهم حتى لا نطلق على أحد
منهم بظلامة ونسأل الله تعالى التوفيق هذا خلاصة ما لخصته من الخاتمة التي ذيل بها
العلامة السيد محمد بن رسول البرزنجي رسالته التي ألفها في نجاة الأبوين مع ما ضممته الى
ذلك مما وجدته في المواهب اللدنية والسيرة الحلبية وغيرهما من الكتب المعتمدة المرصعه

﴿قال العلامة البرزنجي﴾ في آخر الخاتمة التي هي آخر رسالته لما أكملت تسويده في أوائل
شهر الله الحرام ذي القعدة من شهور سنة ألف وثمان وثمانين بالمدينة النبوية على ساكنها
أفضل الصلاة وأزكى السلام في منزلي بالزقاق المشهور بزقاق الصدور وهو داخل السور
أرسلته إلى بعض خدام الحرم الشريف ممن له قدم في طريق الله تعالى وله أذكار وأوراد وله
سلوك وهو متوسم بالصلاح ليدخله الحجرة الشريفة تحت أستار كسوة القبر المعظم صلى الله
عليه وسلم فإنه هديته صلى الله عليه وسلم فإن وقع في حيز القبول بيضته وإلا ضيعته قبل أن
تنتشر منه النسخ فأدخله تحت واستمر فيه ليلتين ثم رده إلي وبشرني بأنه وقع في حيز القبول
من حضرة الرسول صلى الله عليه وسلم وشفعه في جميع الفروع فحمدت الله على ذلك وبيضته
بعون الملك المالك فالحمد لله على ما أنعم وألهم ثم له الحمد على أنه كما أنعم حمداً كثيراً طيباً مباركاً
فيه حمداً يوافي نعمه ويكافئ مزيده كما ينبغي لجلال وجهه وعظمة سلطانه حمداً يستوجب المزيد
الموعود بقوله تعالى لئن شكرتم لأزيدنكم وأكمل الصلاة والتسليم على المبعوث بالقرآن
الحكيم والموصوف بالخلق العظيم المنعوت بأنه بالمؤمنين رؤف رحيم صلاة وسلاماً تجاريان
عناه وتواريان غناه وعلى آله وأصحابه وآبائه وأمهاته وأزواجه وذرياته وورثة علومه
وعباداته وغفر الله لنا ولوالدينا وإخواننا وأقاربنا وأصدقائنا وذرياتنا وجميع المسلمين والمسلمات ربنا
اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلاً للذين آمنوا ربنا إنك رؤف
رحيم دعواهم فيها سبحانك اللهم وتحيتهم فيها سلام وآخر دعواهم أن الحمد لله رب العالمين هذا
آخر ما في رسالة السيد محمد بن رسول البرزنجي المؤلفة في نجاة الأبوين المذيلة بالخاتمة التي في
نجاة أبي طالب عم النبي صلى الله عليه وسلم ﴿قال المؤلف رحمه الله تعالى﴾ وكان الفراغ من
تبييضه يوم السبت الثامن عشر من شهر شعبان المبارك سنة ألف وثلثمائة وثلاثة من
الهجرة النبوية صلى الله عليه وسلم

﴿ترجمة مولانا السيد محمد بن رسول البرزنجي﴾

ترجم العلامة الشيخ محمد المرادي الدمشقي في كتابه سلك الدرر في وفيات أعيان أهل
القرن الثاني عشر ترجمة مؤلف الرسالة المذكورة وهو العلامة مولانا السيد محمد بن رسول
البرزنجي المنتهي نسبه إلى الإمام سيدنا موسى الكاظم ابن الإمام سيدنا جعفر الصادق ابن
الإمام سيدنا محمد الباقر ابن الإمام سيدنا علي زين العابدين ابن الإمام سيدنا الحسين السبط ابن
الإمام سيدنا علي بن أبي طالب وسيدتنا فاطمة الزهراء بنت سيدنا محمد رسول الله صلى الله عليه
وسلم بترجمة جليلة ووصفه بكثرة العلم والعمل وقوة التفكر والفهم والإدراك والاقتدار على
الجدل وإقامة الحجة والبرهان بحيث إنه في أكثر محاوراته يقلب حجة خصمه ويجعلها حجة عليه كما
رأيت في هذه الرسالة وصنع مثل ذلك في كتابه المسمى بالنواقض بالقاء للروافض فإنه كتاب
عجيب لم يؤلف في الرد على الروافض كتاب مثله وفي أكثره أوضح بقلب حججهم ويجعلها حجة
عليهم وكذلك ترجمه العلامة الحموي في نتائجه والذهبي في نفحاته والعلامة المحبي في شذوره
والعياشي في رحلته وأطنب كل منهم في مدحه غاية الإطناب وقالوا فيه كان علامة المعقول
والمنقول وإمام أهل الفروع والأصول الجامع للفنون العلمية المتضلع من أذواق الأسانيد
النبوية واجتمع عنده من الفضائل ما يعجز عن ذكره الناقل مع علو همة وخوف من الله في السر

والاعلان ووقوف مع الحدود الشرعية قالوا وكان له قوة اقتدار على الاجوبة والمسائل الغامضة المشكلة فى أسرع وقت وأعذب لفظ وأسهله وأوجزه وأكمله وذكر بعضهم انه قد عده بعض العلماء فى المجددين وقال فى سرده أسماء المجددين نظما

حادى عشر قد كان برزنجى * مجددا وشرطه جلى

(ولد رحمه الله) سنة ألف وأربعين ليلة الجمعة ثانى عشر ربيع الاول بشهرزور بقرية برزنج وبها نشأ وقرأ على والده وبه تخرج فى العلوم ثم رحل الى بلدان كثيرة وأخذ العلوم عمن بها من العلماء الاعيان وتوطن المدينة المنورة وتصدر بها للتدريس وألف التصانيف العجيبة المفيدة منها ... ومنها أنهار السلسبيل فى شرح أسماء التنزيل للبيضاوى وشرح ألفية السيوطى فى مصطلح الحديث وسماه المصطلح لايضاح ألفية المصطلح ومختصر تلخيص المفتاح ومرقاة الصعود فى تفسير أوائل العقود والنضاوى على صبح فاتحة البيضاوى وجالى الاحزان فى فضائل رمضان والاشاعة فى أشراط الساعة وله مؤلفات كثيرة غير ذلك كلها من أعجب الاعاجيب (توفى) رحمه الله تعالى بالمدينة المنورة سنة ألف ومائة وثلاثة ظهر يوم الاثنين فى داره برقاق القشاشى وكان له مشهد عظيم قيل انه مات صائما ودفن بالبقيع الشريف عند أرجل زوجات النبى صلى الله عليه وسلم خارج القبة الشريفة التى عليهن مما يلى القبلة بين القبة المذكورة وقبة سيدنا عباس وأهل البيت رضوان الله عليهم أجمعين وبجانبه قبر العلامة السيد جعفر ابن السيد حسن البرزنجى الآتى ذكره والموضع المذكور من البقيع مقبرة السادة البرزنجيين وله عقب مبارك كلهم من ذوى العلم والفضل والصلاح يتداولون فتوى الشافعية بالمدينة المنورة وبرزنج قرية بشهرزور من ... (ومن أولاده) السيد عبد الكريم المدفون بجدة ... زورا الظالم وسبب ذلك ... سنة ثلاث وثلاثين ومائة وألف فى دولة الشريف مبارك بن أحمد بن زيد أمير مكة وقعت فتنة بين أهل المدينة وأغوات الحرم ووقع فيها قتال يوما وبعض يوم وانتشر فساد وشر ... عرض ذلك الى الدولة العلية وذكروا ان السيد المذكور وولده السيد حسن وبعض أهل المدينة حرضوا الناس فى تلك الفتنة فصدر الامر من الدولة العلية بقتل بعض أهل ... وكان السيد عبد الكريم المذكور من جملة المأمور بقتلهم وكذلك ولده السيد حسن أما ولده فكان رحمه الله صاحب كرامات وكان يدرس بعد صلاة الصبح فى المسجد النبوى فلما أرادوا القبض عليه ذهبوا اليه ليقبضوا عليه فى المسجد وهو يدرس فلما قربوا منه طمس الله على أعينهم فكانوا يسمعون صوته وهو يدرس ولا يرون شخصه فرجعوا وأخبروا آمرهم بذلك فلم ينزجر فارسل اليه غيرهم فجاؤا وقد تمم السيد درسه وذهب الى داره بباب السلام فذهبوا اليه وأحاطوا بداره وجلس ناس منهم عند باب داره وأدخل الله الرعب والخوف فى قلوبهم فلم يتجاسروا على الدخول عليه فلما علم السيد ان فكاكه منهم لا يمكن الا بالخروج من المدينة الى مصر تطهر وتوضأ وصلى ركعتين وأخذ قبضة من التراب فخرج عليهم وهو يتلو شاهت الوجوه شاهت الوجوه وعنت الوجوه للحى القيوم وقد خاب من حمل ظلما ونثر على رؤسهم التراب وهم لا يعلمون وخرج من بين أيديهم وهم لا يبصرون ولم يعلموا بخروجه حتى وصل الى مصر وأتاهم خبره فأقام بمصر مدة ودخل الجامع الازهر واجتمع بالاكابر من العلماء

وألف كتابه نفثة المصدور وهو كتاب لم يؤلف نظيره في الفصاحة والبلاغة والقصائد المعنية
النبوية والكلمات الحكمية سلك فيها طريق القوم من السادة الصوفية مشيرا الى
ما حصل له من الكدر وما ذاقه من الالم والفراق والبعد عن الحضرة النبوية وأشار فيه الى
هذه القصة وان النبي صلى الله عليه وسلم أشار اليه بالخروج الى مصر وان يخرج عليهم ويبثر
على رؤسهم التراب وانهم لا ينصرون نظير ما وقع له صلى الله عليه وسلم عند الهجرة الى المدينة
ثم عاد بعد ذلك الى المدينة (وأما والده) رحمه الله فصعب فقده بالمدينة فحسن لبعض اصدقائه
الخروج من المدينة الى مكة المشرفة والاقامة بها فلما وصل الى مكة قبضه الوزير ابو بكر باشا
وأنفذه الى جدة وحبس فلما نم صدر الامر بقتله فقتل خنقا في ليلة الثامن من شهر ربيع
الاول سنة ثمان وثلاثين ومائة وألف ورمي في سوق جدة يوما كاملا ثم رفعه بعض أهل الخير
شفاعة والتماس وغسل وكفن ودفن بجدة وهرعت الناس الى جنازته للتبرك بها ولقب
بالمظلوم رحمه الله رحمة واسعة (ذكر في الروض الاعطر) مانصه ثم عقب ذلك بيسير جاء الامر
بعزل الوزير المذكور فخرج متوجها الى الاستانة وركب مع من معه في سفينة من جدة فبعد
ما حلوا الشراع او سرت بهم غير بعيد أتت ريح عاصفة فغرقه الله ولم ينج منهم الا قليل قال هكذا
أخبرني به بعض أهل العلم من أهل جدة سماعا عن غيره من الثقات انتهى وخلف ابنه السيد
حسن السيد جعفر صاحب المولد الشهير الذي مفتتحه أبتدئ الاملاء باسم الذات العلية
وابنه العلامة السيد على صاحب المنظومة الرائية الموسومة بجالية الكدر في أسماء أصحاب
سيد البشر والثلاثمائة والثلاثة عشر نظم فيها أسماء أهل بدر واحدا الى أولها

بدأت ببسم الله والحمد أولا * على نعم لم تحص في سرها الجهر

ولابنه العلامة السيد محمد البرزنجي وكلهم ابناء السيد حسن وكان السيد جعفر المذكور
اماما عالما عاملا ولد سنة ست وعشرين ومائة وألف بالمدينة المنورة فنشأ بها وقرأ القرآن
واخذ العلم من مشايخ كثيرين بطول تعدادهم وبرع في جميع العلوم نقليها وعقليها وتولى
منصب فتوى الشافعية بالمدينة المنورة وسلك في طريق القوم وكان على غاية من العمل
والاستقامة وله كرامات كثيرة منها انه دعي لقنه من مصلاه يوم الجمعة الى مباشرة خطبة
الجمعة وطلب منه أن يستسقي للناس في خطبته وكانت سنة مجدبة فاستسقى فامطرت السماء
مطرا عظيما كأفواه القرب حتى سالت الاودية وأخصبت الارض بعد جدبها واستمر المطر
أسبوعا كما وقع ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم (وامتدحه) بعض الفضلاء بقوله

سقى الفاروق بالعباس قدما * ونحن بجعفر غيثا سقينا
فذاك وسيلة لهم وهذا * وسيلتنا امام العارفينا

(ومن كراماته) انه أخبر بيوم وفاته فكان كما قال توفي رضي الله عنه لاربع مضت من شعبان
سنة ألف ومائة وسبع وسبعين بتقديم السين فيهما وعمره احدى وخمسون سنة ودفن بالبقيع
عند أرحل جداته بنات النبي صلى الله عليه وسلم (ورثاه) الشيخ عبد القادر كدك بأبيات وقبل
أن يتمها او يجعل لها تاريخا رأى السيد جعفرا المذكور بعد وفاته بثلاث عشرة ليلة فقال له
فيما ذا تدور فقال [illegible] * في جنة الفردوس يعلو منزلي *

۱۳۷ ٤١٦ ٣٨١ ٥٤٣

سنة ١١٧٧

فاتمه الراى فاذا هو شطر بيت فحسبه فاذا هو تاريخ بحساب التاء من جنة باربعمائة وفى
ذلك خلاف بين الادباء فى انها تحسب باربعة أو باربعمائة واذا هو شطر على وزن القصيدة
وقافيتها فجعله تاريخا لها وختم القصيدة به فكان من كراماته انه أرخ تاريخ وفاته بعد وفاته
(ومات) السيد جعفر رحمه الله ولم يخلف غير بنت تزوجت بولد عمها زين بن محمد فولدت له
السيد محمد الهادى وأعقب السيد محمد المذكور ابنه السيد العلامة زين العابدين صاحب
المولد النظم والمعراج المشهورين اللذين أولهما ابدأ باسم الذات عالية الشان وأفتتح بعد ابراد
ايراد الاخبار المحمدية توفى مع جماعة من أهل المدينة بالسويس سنة ألف ومائتين وأربع
عشرة مرجعهم من الاستانة العلية ودفنوا فى موضع واحد وأعقب السيد زين العابدين
ولده مولانا السيد اسماعيل وكان عالما فاضلا وكانت المدينة المنورة داره ووطنه كأبيه وجده
ثم خرج منها مع جماعة من أهلها سنة ألف ومائتين وثلاث وعشرين عند تغلب الوهابى على
الحجاز فساقته المقادير الى بلاد الكرد من سواد العراق فاجتمع بواليها عبد الرحمن باشا وكان من
أهل العلم والفضل وله محبة فى العلماء واحب مولانا السيد اسماعيل وأكرمه وأمسكه مقيما
عنده وزوجه ابنته عائشة فرضى والده وولد له مولانا السيد جعفر وأخيه السيد أحمد واخوته
فاستمر مولانا السيد اسماعيل [illegible] فى تلك الارض خمسا وأربعين سنة معظما محتشما وفى
مدة غيبته كانت فتوى الشافعية بالمدينة المنورة عند بعض أبناء عمه وولد له أولاد بتلك البلاد
أكبرهم مولانا السيد جعفر واخوته وأخواته (وفى سنة) تسع وستين ومائتين وألف عزم
مولانا السيد اسماعيل على التوجه الى وطنه فتوجه فى شهر رجب من السنة المذكورة
ووصل الى مصر من طريق الشام ونزل فى مصر ولده مولانا السيد جعفر لقراءة العلم بالجامع
الازهر فأخذ عن كثير من علمائها المشهورين وتوجه والده الى دار السلطنة العلية وامتدح
مولانا السلطان عبد المجيد بقصيدة سنية فقلده منصب افتاء الشافعية بالمدينة النبوية على
ساكنها أفضل الصلاة والتحية ثم رجع مولانا السيد اسماعيل الى مصر وارتحل باهله الى
المدينة المنورة ودخلها فى أوائل رجب سنة احدى وسبعين ومائتين وألف وجاء تاريخ عوده
بيت شعر للفاضل الشيخ عبد الجليل افندى براده من قصيدة غراء مدح بها مولانا السيد
اسماعيل المذكور مطلعها

الدهر أقبل بالمسرة يسعد * ولنا بانجاح المطالب ينجد

وقبل بيت التاريخ بيت مهد لبيت التاريخ ونظمهما هكذا

ولطيبة مذ عدت قلت مؤرخا * فى بيت شعر بالمحاسن يفرد
قد عاد جارا للرسول محمد * نعم ما والعود منه أحمد

سنة ١٢٧٧

ثم بعد مدة نزل عن منصب فتوى الشافعية لنجله الفاضل مولانا السيد جعفر فتقلدها سنة
ألف ومائتين وثمان وسبعين قبل وفاة والده بنحو ثمانية أشهر وجاءه التأييد من دار السلطنة
العلية وهو مستمر بها الى هذا الوقت وأمين الفتوى له أخوه العالم الفاضل مولانا السيد
أحمد ابن مولانا السيد اسماعيل ولهم أخ ثالث وهو السيد عبد الكريم وكان لهم أخ رابع وهو
السيد على توفى منذ سنين وتردد مولانا السيد جعفر الى دار السلطنة العلية مرارا وقلده

صنعاء خمس سنين آخرها شوال سنة اثنتين وثلثمائة وألف ثم جاء الى مكة باهله ثم طلع الى الطائف وهو الآن مقيم باهله وقصده العود الى المدينة بعد اداء المناسك باهله وولده السيد اسماعيل والسيد محمد هاشم (وله) مؤلفات جليلة (منها) شرحه المسمى بالكوكب الانور على عقد الجوهر فى مولد النبى الازهر تأليف جده من جهة الام مولانا السيد جعفر (ومنها) شواهد الغفران على جالى الاحزان فى فضائل رمضان لجده السيد محمد بن رسول السابق ذكره (ومنها) مصابيح الغرر على جالى الكدر للسيد على ابن السيد حسن السابق ذكره (ومنها) تاج الابتهاج على ضوء الوهاج فى الاسراء والمعراج لجده السيد زين العابدين المتقدم ذكره (ومنها) تاريخ عمارة المسجد النبوى التى أنشأها مولانا السلطان الغازى عبد المجيد خان وهو تاريخ جليل سماه نزهة الناظرين فى عمارة مسجد سيد الاولين والآخرين (ومنها) الروض الاعطر فى مناقب السيد جعفر وغير ذلك وبالجملة فاهل هذا البيت كلهم أهل علم وفضل وصلاح نفعنا الله بهم ووفقهم لكل خير وفلاح وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين ولله در القائل

قفا بمطلع سعد عز ناديه ● وأمايا انسرح شوقى فى مغانيه

واستقبلا مطلع الانوار فى أفق السـ ● ـعود واحترسا ان تبهرا فيه

مغنى به وابل الرضوان منهمر ● ومأثرات الهدى دلت مناديه

تشاقدا بذل الافراح من طرب ● يروى بديع المعانى فى أماليه

واستمليا الاحاديث العجائب عن ● بحر هناك بديع فى معانيه

حامى الذمار مجير الجار من كرمت ● منه السجايا فلم تعبر مباريه

عم النبى الذى لم يثنه حسد ● عن نصره فتمادى فى مراضيه

هو الذى لم يزل حصنا لحضرته ● موفقا لرسول الله يحميه

وكل خير رجاه النبى له ● وهو الذى قط ما خابت أمانيه

فيا من ام الملا فى الحادثات غدا ● أغث لهيفانه واسعف مناديه

قد خصك الله بالمختار تكلؤه ● وتستعزبه فخرا وتطريه

وبت بالحب فى طه فعزت به ● ومن ينل حب طه فهو يكفيه

كم ثمت آيات صدق يستضاء بها ● وتملأ القلب ايمانا وترويه

من الذى فاز فى الماضين أجمعهم ● بمثل ما فزت من طه وباريه

كفلت خير الورى فى يتمه شغفا ● وبت بالروح والابناء تفديه

عضدته حين عادته عشيرته ● وكنت حائطه من بغى شانيه

نصرت من لم يشم الكون رائحة الـ ● ـوجود لولم يقدر كونه فيه

ان الذى قمت فى تأييد شوكته ● هو الذى لم يكن شئ يساويه

ان الذى أنت قد أحببت طلعته ● محبب من كل شئ فى أياديه

لله درك من قناص فرصته ● مذ شمت برق الامانى من نواحيه

يهنيك نورك أن قدمت منك يدا ● الى على وفى فى جوازيه

من يسد أحسن معروف لاحسن من ● جازى ينل فوق ما نالت أمانيه

ومن سعى لسعيد فى مطالبه * فهو الحرى بان تعطى امانيه
فيا سعيد المساعى فى متاجره * قد جئت ربعك استهدى غواديه
مستمطرا منك مزن الخير معترفا * بان غرسى التى ينمو بصافيه
ومنك مستعطفا خير الانام ومن * تكن وسيلته فالفوز يأتيه
فيا نبى الهدى عطفا على دنف * الشوق يدنيه والاوزار تقصيه
الغوث الغوث يا طه خذ بيدى * من ورطة النفس والشيطان والتيه
فقد احاطت بضعفى وهى آسرتها * ان الاسير لها صعب تفصيه
حتى انقضى العمر والهفا عليه ولم * احصل على طائل منه ارجيه
فليتنى حيث لم اغنم فريصته * ما كنت اودعته ذنبا يغشيه
بل قد تجاوزت فى ظلمى فواسفا * اذلم ازل منه فى كرب اقاسيه
وقد تعلقت فى اذيال ساحتكم * فما لها بد من مثلى تنحيه
لم ادخرك لدنيا لاثبات لها * بل للذى ليس لى من مفزع فيه
ان امرا انت فى حشر ذخيرته * لغير طامعة فيه عواديه
هافد ذخرتك للمعنى تقوم بها * وعم العبد احسانا وتوليه
ووالديه واشياخا واخوته * ونسله ومن الايمان يحويه

(وقيل ايضا)

ان القلوب لتبكى حين تسمع ما * ابدى ابو طالب فى حق من عظما
فان يشكك اجمع الاعلام انه * بارا فالله كل الكون يفعل ما
اما اذا اختلفوا فالرأى ان نردا * موارد ارتضيها عقل من سلما
نتابع المثبتى الايمان من زمن * فى معظم الدين تابعناهم فكما
وهم عدول خيار فى مقاصدهم * فلا نقل انهم ان يبلغوا عظما
لا تزدريهم اندرى من هو فهمو * هو عرى الدين قد اضحوا به زهما
هم السيوطى والسبكى مع نفر * كعمدة القضا حفاظ اهل حما
واهل كشف وشعرانيهم وكذا * القرطبى والسحيمى والجميع كما

هذا السؤال رفع فى امارة سيدنا ومولانا الشريف عبد المطلب رحمه الله تعالى رحمة الابرار سنة ١٢٩٩

(ماقولكم) أيها العلماء الاعلام ومصابيح الظلام قمع الله بكم طغام اللئام ولئام الطغام فيمن انتدب ممن يزعم أنه من طلبة العلم لهدم قبر أبى طالب عم النبى عليه أفضل الصلاة والسلام زاعما انه من المناكر المجمع عليها فى بلد الله الحرام وكتب عرضا للحكام يدور به على العلماء وخلافهم من الانام يحرضهم على ان يساعدوه على هدم قبر هذا الكافر بهذا اللفظ الشنيع ونحوه من الكلام غير مبال الى مايترتب على ذلك من بعث فتنة نائمة لعن الله من أيقظها فان كثيرا من أهل السنة والجماعة من بنى هاشم وغيرهم يعتقدون نجاته تبعا لما جاء فى ذلك ولما نقله الجهابذة الفخام المحققون بأن يتخذوا حجة للخلاص لدى الملك العلام وهم الامام السبكى والامام القرطبى والامام الشعرانى رحمهم الله تعالى على الدوام ان الله أحيا أبا طالب وآمن بالمصطفى ومات مسلما قال الامام المحقق السحيمى بعد نقله ذلك وهذا هو الذى أعتقده وألقى الله به فيكون هذا العذاب حصل له قبل احيائه ويكون المراد بالقيامة قيامته وهى خروج روحه من جسده فيا أهل ترى هؤلاء العلماء جهلوا ماورد فى حق أبى طالب من نصوص الشريعة فلم يسع هذا المنتدب المبغض السكوت تقليدا لقدحه فى ادعائه الاجماع الذى زعمه مع مافيه من أذية رسول الله صلى الله عليه وسلم وآله ومحبيه وهل جهله بذلك يكون عذرا له فيما نطلبه مما ليس يعنيه وهل يجب على الحكام أيدهم الله تعالى زجر هذا المبغض بما يليق به ويكون زاجرا له ولغيره عن الحركات الباعثة للفتن وتنافر قلوب المسلمين فان القائلين بنجاته أهل شوكة وشكيمة فى هذا البلد الامين أفيدونا نصر الله بكم الاسلام وأنار بمصابيحكم حالك الظلام * الحمد لله رب العالمين رب زدنى علما قال بعض المفسرين فى قوله تعالى قل لا أسئلكم عليه أجرا الا المودة فى القربى أى على تبليغ الرسالة أى ان تحفظوا قرابتى وتودونى وتصلوا رحمى وذلك انه لم يكن حى من قريش الا وفيهم له صلى الله عليه وسلم قرابة فكأنه يقول ان لم تؤمنوا بى فاحفظوا قرابتى فيكم ولا تؤذونى اهـ وقال تبارك وتعالى ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله فى الدنيا والآخرة وأعد لهم عذابا مهينا وفى شرح الشهاب لابن وحشى قال أبو الطاهر من أبغض أبا طالب فهو كافر بالله عز وجل وفى معروضات المفتى أبى السعود (سؤال) طالب علم ذكر عنده حديث نبوى فقال أكل أحاديث النبى صلى الله عليه وسلم صدق (فأجاب) بأنه يكفر أولا بسبب الاستفهام الانكارى وثانيا بالحاقه الشين بالنبى صلى الله عليه وسلم در مختار اذا تكلم بكلمة الكفر ولم يدر أنها كفر قال بعضهم لا يكون كفرا ويعذر بالجهل وقال بعضهم يصير كافرا بذلك تنقيح وقال فى المختار ينبغى ان يحفظ اللسان عما يجب الاحتراز عنه لقوله صلى الله عليه وسلم من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت وعنه صلى الله عليه وسلم البلاء موكل بالمنطق اهـ وعليه فيلزم الولاة أيدهم الله تعالى اجراء ما يستحقه على ما صدر منه كما ليسد باب الجراءة ويزجر أهل الجراءة والفساد كما قال تعالى انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله الى آخر الآية والله سبحانه وتعالى أعلم

جواب مكاتبة أحمد بن عبد الله ميرغني مفتي الاحناف بمكة المشرفة
كان الله لهما حامدا ومصليا ومسلما

الحمد لله وحده وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه والسالكين نهجهم بعده اللهم أسألك
هداية للصواب اعلم رحمك الله تعالى ان أبا طالب عم النبي صلى الله عليه وسلم ادعى أناس ان
أهل السنة والجماعة اتفقوا على عدم نجاته وتمسكوا في ذلك بظواهر من الكتاب والسنة
ودعواهم اتفاق أهل السنة على عدم نجاته دعوى غير صحيحة فقد وجد كثير من أهل السنة
يقولون بنجاته منهم الامام القرطبي والامام السبكي والامام الشعراني كما ذكره السائل
في سؤاله فقد راجعت ما ذكره في شرح العلامة السحيمي على شرح الشيخ عبد السلام
اللقاني على منظومة والده المسماة بجوهرة التوحيد في بحث الشفاعة عند قول الناظم
وواجب شفاعة المشفع فوجدته نقل عن القرطبي والسبكي والشعراني ان الله أحيا أبا
طالب وآمن بالمصطفى صلى الله عليه وسلم ثم مات مسلما قال العلامة السحيمي وهذا الذي
أعتقده وألقى الله عليه وذكر العلامة السحيمي قبل قول الناظم ومنجز لمن أراد وعده ان
ابن سعد وابن عساكر رويا عن ابن عباس رضي الله عنهما انه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم
ما ترجو لابي طالب قال كل الخير أرجوه من ربي والامام القرطبي والسبكي والشعراني
كل منهم من أكابر أهل السنة يحتج بقوله وكذا العلامة السحيمي فبطلت دعوى من ادعى ان
اهل السنة متفقون على عدم نجاة وثبت انه يوجد من اهل السنة من يقول بنجاته وحيث وجد الاختلاف فاللائق

الاحتياط واقل المراتب التفويض الى الله تعالى والسكوت والتوقف وعدم الخوض في ذلك والاقتصار على قدر

الضرورة في ذكر الاحاديث الواردة فيه بغاية الادب والخوف لان الاحتياط من الورع فقد قال صلى الله عليه وسلم

دع ما يريبك الى ما لا يريبك وقال صلى الله عليه وسلم أليس وقد قيل لما جاءه عقبة بن الحارث فقال يا رسول الله

تزوجت امرأة فجاءتنا امرأة سوداء فقالت قد ارضعتكما وهي كاذبة فقال صلى الله عليه وسلم كيف تصنع بها وقد

زعمت انها ارضعتكما دعها عنك اي فهما فراجعت للنبي صلى الله عليه وسلم
وقالت يا رسول الله انها امرأة سوداء أي فلا يقبل قولها فقال أليس وقد قيل وارشده صلى الله
عليه وسلم الى طريق الورع والاحتياط وان لم تقبل شهادة تلك المرأة وحيث قال جماعة من
أهل السنة باحياء أبي طالب وايمانه ونجاته فالاحتياط عدم التعرض له بتنقيص لان
التعرض له لا سيما اذا كان بافحش العبارات يؤذي النبي صلى الله عليه وسلم لان أبا طالب
ربى النبي صلى الله عليه وسلم وكان يحبه ويذب عنه لما بعث ويؤذي أيضا أقاربه صلى الله عليه
وسلم الاحياء والاموات وقد قال تعالى قل لا أسألكم عليه أجرا الا المودة في القربى وقد
أخرج الديلمي عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اشتد
غضب الله على من آذاني في قرابتي وروى الطبراني والبيهقي ان بنت أبي لهب واسمها سبيعة
وقيل درة قدمت المدينة مسلمة مهاجرة فقيل لها لا تغني عنك هجرتك وأنت بنت حطب
النار فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فاشتد غضبه ثم قام على المنبر فقال ما بال
أقوام يؤذونني في نسبي وذوي رحمي من آذى نسبي وذوي رحمي فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى

الله تعالى وأخرج ابن عساكر عن علي رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من آذى شعرة مني فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله تعالى وروى الطبراني والامام أحمد والترمذي عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا تؤذوا الاحياء بسب الاموات ولاشك ان النطق بقبيح القول في حق أبي طالب والتشدق به في مجالس الخاصة والعامة وسفهاء الناس يؤذي أولاد علي رضي الله عنه الموجودين الآن بل ويؤذي امواتهم في قبورهم ويؤذي النبي صلى الله عليه وسلم نفسه قال الله تعالى والذين يؤذون رسول الله لهم عذاب أليم وقال تعالى ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة وأعد لهم عذابا مهينا وهذا هو ملحظ من قال بكفر مبغض أبي طالب لان فيه ايذاء النبي صلى الله عليه وسلم وايذاؤه صلى الله عليه وسلم كفر يقتل فاعله ان لم يتب وعند المالكية يقتل وان تاب وسأذكر لك نبذة من أخبار أبي طالب تعلم بها محبته للنبي صلى الله عليه وسلم وتعلم محبة النبي صلى الله عليه وسلم له وانه يؤذيه بغضه وتعلم بها ان ما ذهب اليه القرطبي والسبكي والشعراني والسحيمي له وجه وجيه (فمن أخبار) أبي طالب انه ربى النبي صلى الله عليه وسلم احسن التربية وكان يقدمه في امره على أولاده وشرح ذلك يطول ثم لما بعثه الله تعالى تعرض قريش لايذائه صلى الله عليه وسلم فمنعهم أبو طالب وقال لهم ان ابن أخي في حمايتي فلم يستطيعوا ان يردوا حمايته فاستمر صلى الله عليه وسلم يدعو الناس الى الله جهرا فلما فشت دعوته صلى الله عليه وسلم شق الامر عليهم فاجتمعوا وجاؤا الى أبي طالب بعمارة بن الوليد وقالوا له خذ هذا بدل محمد ويكون ابنا لك وأعطنا محمدا نقتله فقال ما أنصفتموني يا معشر قريش آخذ ابنكم أربيه وأعطيكم ابني تقتلونه ثم قال

والله لن يصلوا اليك بجمعهم * حتى أوسد في التراب دفينا
فاصدع بأمرك ما عليك غضاضة * وابشر بذاك وقر منك عيونا
ودعوتني وعلمت انك ناصحي * ولقد دعوت وكنت ثم أمينا
لولا الملامة أو حذار مسبة * لوجدتني سمحا بذاك مبينا

ولما تزوج النبي صلى الله عليه وسلم خديجة بنت خويلد رضي الله عنها خطب أبو طالب وحضر أبو بكر ورؤساء مضر فقال أبو طالب في خطبته الحمد لله الذي جعلنا من ذرية ابراهيم وزرع اسمعيل وضئضئ معد وعنصر مضر وجعلنا حضنة بيته وسواس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحكام على الناس ثم ان ابن أخي هذا محمد بن عبد الله لا يوزن برجل الا رجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا فان كان في المال قل فان المال ظل زائل وأمر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابته وقد خطب خديجة بنت خويلد وبذل لها ما آجله وعاجله كذا وهو والله بعد هذا له نبأ عظيم وخطر جليل جسيم فلما أتم أبو طالب الخطبة تكلم ورقة بن نوفل وهو ابن عم خديجة فقال الحمد لله الذي جعلنا كما ذكرت وفضلنا على ما عددت فنحن سادة العرب وقادتها وأنتم أهل لذلك كله لا تنكر العشيرة فضلكم ولا يرد أحد من الناس فخركم وشرفكم وقد رغبنا في الاتصال بحبلكم وشرفكم فاشهدوا علي معاشر قريش باني قد زوجت خديجة بنت خويلد من محمد بن عبد الله على كذا ثم سكت فقال أبو طالب قد أحببت ان يشركك عمها وهو عمرو بن أسد فقال عمها اشهدوا يا معشر قريش اني قد أنكحت محمد بن عبد الله خديجة

بنت خویلد فقبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم النکاح فتأمل خطبة أبی طالب وذکره شأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتفرسه فیه کل خیر وکان ذلک قبل مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخمس عشرة سنة وأخرج البیہقی عن أنس رضی اللہ عنه قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشکا الجدب والقحط وأنشد أبیاتا فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی صعد المنبر فرفع یدیه الی السماء ودعا فما رد یدیه حتی التقت السماء بأبراقها ثم بعد ذلک جاؤا یضجون من المطر خوف الغرق فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدت نواجذه ثم قال للہ در أبی طالب لو کان حیا لقرت عیناه من ینشدنا قوله فقال علی رضی اللہ عنه وکرم وجهه کأنک ترید قوله

وأبیض یستسقی الغمام بوجهه * ثمال الیتامی عصمة للأرامل

فقال صلی اللہ علیہ وسلم أجل وهذا البیت من قصیدة طویلة لأبی طالب قالها حین کان یذب قریشا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم منها قوله

کذبتم وبیت اللہ نبزی محمدا * ولما نطاعن دونه ونناضل

ونسلمه حتی نصرع حوله * ونذهل عن أبنائنا والحلائل

لعمری لقد کلفت وجدا بأحمد * وأحببته دأب المحب المواصل

فمن مثله فی الناس أی مؤمل * اذا قاسه الحکام عند التفاضل

حلیم رشید عاقل غیر طائش * یوالی الهًا لیس عنه بغافل

ومنها قوله

وقد علموا ان ابننا لا مکذب * لدینا ولا یعنی بقول الاباطل

وأصبح فینا أحمد فی أرومة * تقصر عنها سورة المتطاول

حدبت بنفسی دونه وحمیته * ودافعت عنه بالذری والکلاکل

والقصیدة طویلة وله أشعار کثیرة غیرها فی مدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولما حضرت الوفاة اباطالب جمع أشراف قریش وأوصاهم بوصیة تدل علی کمال محبته للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعرفته صدقه فقال یا معشر قریش أنتم صفوة اللہ من خلقه وقلب العرب فیکم السید المطاع وفیکم المقدام الشجاع والواسع الباع واعلموا أنکم لم تترکوا للعرب فی المآثر نصیبا الا أحرزتموه ولا شرفا الا أدرکتموه فلکم بذلک علی الناس الفضیلة ولهم به الیکم الوسیلة والناس لکم حرب وعلی حربکم ألب وانی أوصیکم بتعظیم هذه البنیة یعنی الکعبة فان فیها مرضاة للرب وقواما للمعاش وثباتا للوطأة وصلوا أرحامکم فان فی صلة الرحم منسأة أی فسحة فی الاجل وزیادة فی العدد واترکوا البغی والعقوق ففیهما هلکت القرون قبلکم أجیبوا الداعی وأعطوا السائل فان فیهما شرف الحیاة والممات وعلیکم بصدق الحدیث وأداء الامانة فان فیهما محبة فی الخاص ومکرمة فی العام وأوصیکم بمحمد خیرا فانه الامین فی قریش والصدیق فی العرب وهو الجامع لکل ما أوصیتکم به وقد جاء بأمر قبله الجنان وأنکره اللسان مخافة الشنآن وایم اللہ کأنی أنظر الی صعالیک العرب وأهل الاطراف والمستضعفین من الناس قد أجابوا دعوته وصدقوا کلمته وعظموا أمره فخاض بهم غمرات الموت فصارت رؤساء قریش وصنادیدها أذنابا ودورها خرابا وضعفاؤها أربابا واذا أعظمهم علیه أحوجهم الیه وأبعدهم منه أحظاهم عنده قد محضته العرب ودادها وأعطته قیادها یا معشر قریش کونوا له ولاة ولحزبه حماة وفی روایة دونکم ابن أبیکم کونوا له ولاة ولحزبه حماة واللہ

لايسلك أحد سبيله الارشد ولا يأخذ احد بهديه الاسعد ولو كان انفسى مدة ولاجلى تأخير لكففت عنه الهزاهز ولدفعت عنه الدواهى وقال لهم مرة لن تزالوا بخير ما سمعتم من محمد وما اتبعتم أمره فأطيعوه ترشدوا فانظر واعتبر كيف وقع جميع ماقاله من باب الفراسة الصادقة وقد روى أبو طالب عن النبى صلى الله عليه وسلم أحاديث منها ما ذكره الحلبى فى سيرته وقال وروى أبو طالب عن النبى صلى الله عليه وسلم فقال حدثنى محمد أن الله أمره بصلة الارحام وأن يعبد الله وحده ولا يعبد معه غيره وقال سمعت ابن أخى يقول اشكر ترزق ولا تكفر تعذب ولما مات أبو طالب نالت قريش من النبى صلى الله عليه وسلم من الاذى مالم تكن تطمع فيه فى حياة أبى طالب حتى ان بعض قريش نثر التراب على رأسه الشريف صلى الله عليه وسلم وكان صلى الله عليه وسلم يقول مانالت منى قريش شيأ أكرهه حتى مات أبو طالب ولما رأى قريشا تجرؤا على أذيته قال ياعم ما أسرع ما وجدت بعدك ومات هو وخديجة فى عام واحد فكان صلى الله عليه وسلم يسمى ذلك العام عام الحزن وانما أطلت الكلام فى ذلك لتعلم محبة أبى طالب للنبى صلى الله عليه وسلم ومحبة النبى صلى الله عليه وسلم له وتعلم أيضا ان ما قاله الائمة الاعلام وهم الامام القرطبى والسبكى والشعرانى والسحيمى من ان الله أحياه وآمن بالنبى صلى الله عليه وسلم له وجه وجيه ولذلك قال السحيمى وهو الذى اعتقده وألقى الله به وأقول أيضا كما قاله انه هو الذى أعتقده وألقى الله به وهكذا ينبغى لمن له محبة للنبى صلى الله عليه وسلم ولقرابته فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر فيجب على ولاة الامر ثبت الله بهم قواعد الدين اجراء التأديب اللازم بما يحصل به الزجر لهذا الفريق وحثهم على عدم الخوض فى مثل ذلك لم يترتب عليه من الفتن العظيمة والله تعالى اعلم وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم امر برقمه خادم طلبة العلم بالمسجد الحرام كثير الذنوب والآثام المرتجى من ربه الغفران احمد بن زينى دحلان مفتى الشافعية بمكة المحمية غفر الله له ولوالديه ومشايخه والمسلمين اجمعين آمين.

اما بعد حمد الله على نعمه الوافرة والصلاة والسلام على خير الدنيا والآخرة فقد تم طبع هذا الكتاب الملوح بالبهجة وطاب المسمى باسنى المطالب فى نجاة أبى طالب تأليف احد أئمة الهدى ومصابيح الاهتدا المتفق على جلالته واتقانه السيد الذى فاق أهل عصره وأوانه الممنوح من ربه بالرضا والرضوان مولانا السيد احمد بن زينى دحلان ولعمرى انه لكتاب شريف وسفر بديع لطيف طالما توجهت الى الاطلاع على مثله آمال العلماء واشتاقت الى تسريح النظر فى رياضه أفاضل النبلاء شكر الله له مسعاه وجعل الفردوس منقلبه ومثواه وكان ذلك الطبع بالمطبعة ذات التحرير المجاورة للامام القطب الدردير ادارة رب المهارة والوفا حضرة محمد أفندى مصطفى

وتم طبعه فى أواخر شهر ذى القعدة الحرام سنة ١٣٠٥ من
هجرة المصطفى عليه الصلاة والسلام وعلى آله
وأصحابه ومحبيه واحزابه ماغرد
الحمام وفاح مسك الختام.